عقائد و افکار کی اصلاح کے لئے چند راہنما اُصول

سُنّی مؤقف

طلباء و طالبات کے لئے

از قلم

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سُنّی اکیڈمی

یا اللہ مدد

حق چار یار

اصل کلمہ اسلام لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

عقائد و افکار کی اصلاح کے لئے چند راہنما اصول

سُنّی مؤقف

طلباء و طالبات کے لئے

از قلم

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب

تقسیم کار

مکہ کتاب گھر

رحمان پارک مچھلی منڈی

اردو بازار، لاہور۔

Ph: 042-7214892, 0321-4844802

سلسلہ اشاعت نمبر ③

کتاب

سُنّی موقف

تالیف

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ

ناشر

سُنّی اکیڈمی

جامعہ اہل سنت تعلیم النساء، عقب مدنی جامع مسجد چکوال

اشاعت

اکتوبر ۲۰۰۸ء

کمپوزنگ

رشید احمد صدیقی

03004742551

فہرست مضامین

سنی تحریک الطلبہ ——— ۷
سنت رسول کی شرعی حیثیت ——— ۸
الجماعت ——— ۱۱
دین اسلام ——— ۱۲
اصول اسلام ——— ۱۳
توحید ——— ۱۳
اصلی کلمۂ اسلام ——— ۱۵
نبوت ——— ۱۶
منصبِ نبوت ——— ۱۷
بعض شبہات کا ازالہ ——— ۱۹
قیامت ——— ۲۱
رسولِ کامل ——— ۲۱
دین کامل ——— ۲۲
کتاب کامل ——— ۲۳
جماعت کامل (آیات واحادیث) ——— ۲۶
احادیث نبویہ اور جماعتِ رسول ——— ۳۲
خلاصۂ آیات واحادیث ——— ۳۳
ایک شبہ کا ازالہ ——— ۳۴
اہل السنت والجماعت جنتی ہیں ——— ۳۶
اصحابؓ رسول کے بارے میں گبن کا اعتراف ۔ ۳۷
ولیم میور کا اقرار ——— ۳۸
خلفائے راشدینؓ ——— ۳۹
خلافتِ راشدہ ——— ۴۱
آیت تمکین ——— ۴۲
آیت استخلاف ——— ۴۳
حدیث سفینہ ——— ۴۷
حدیث اتباع خلفائے راشدینؓ ——— ۴۸
دورِ خلافت راشدہ کی فتوحات ——— ۴۸
دورِ صدیقی رضی اللہ عنہ ——— ۴۸
عہد فاروقی رضی اللہ عنہ ——— ۴۹
سطوتِ عثمانی رضی اللہ عنہ ——— ۴۹
خلافت مرتضوی رضی اللہ عنہ ——— ۵۰
صدیق وفاروق ولیم میور کی نظر میں ——— ۵۲
مورخ گبن اور خلفائے اربعہ ——— ۵۳
احادیث میں خلفائے اربعہؓ کی عظمت ۔ ۵۴
حق چار یارؓ ——— ۵۹

حرفِ آغاز

بسم الله حامدا و مصلیاً.

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ (۱۴ جنوری ۱۹۱۴ء/ ۲۶ جنوری ۲۰۰۴ء) فاضل دیوبند، خلیفہ مجاز شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے قریباً پون صدی مذہب اہلِ السنّت والجماعت کی تبلیغ وتحفظ کے لیے تحریری وتقریری طور پر جو گراں قدر خدمات سرانجام دیں ہیں وہ کسی تعارف کی محتاج نہیں، آپ کے پیشِ نظر کسی مخصوص فرقہ کی فقط تردید کے بجائے اہل سنت کے اجماعی عقائد ونظریات کو دلائل و براہین سے بیان کرنا تھا۔ آپ اس حوالے سے ہر طبقۂ فکر کی طرف سے اٹھنے والے اعتراضات کو نقد و جرح کے میزان میں پرکھتے اور حقیقت واضح کرتے۔ حضرت قاضی صاحب بلاشبہ دورِ حاضر میں بلاخوف لومۃ لائم جرأت وحق گوئی کی بہترین مثال تھے۔

(رحمة الله عليه رحمة واسعة)

سنی اکیڈمی کے قیام کی غرض حضرت موصوف رحمہ اللہ کی جملہ تصانیف و بیانات کو منظرِ عام پر لانا ہے۔ اس سلسلہ کی ''تیسری کاوش'' آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ خدا کرے ہم اپنے مقاصد میں کامیاب ہوں اور اکیڈمی جس کے قیام کا خواب حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں دیکھا تھا اس کی حقیقی تعبیر ثابت ہو۔ حضرت

قاضی صاحب رحمہ اللہ نے اپنی اس آرزو کو اپنی مایہ ناز تصنیف ''بشارت الدارین'' میں ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے:

''اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو ''سنی اکیڈمی'' بھی قائم کی جائے گی جس کے ذریعہ سنی اہم تصانیف کی اشاعت ہوتی رہے۔'' (ص،۵۳۷)

والسلام

زاہد حسین رشیدی
جامعہ اہل سنت تعلیم النسآء
عقب مدنی جامع مسجد چکوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَعَلٰی خُلَفَآءِ الرَّاشِدِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحٰبِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

سنی تحریک الطلبہ، اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں، سرکاری اور غیر سرکاری تعلیمی اداروں اور عربی دینی مدارس کے طلبہ کی ایک خصوصی تنظیم ہے جو سنی مذہب کی بنیاد پر قائم کی گئی ہے۔ اور گو ملک میں طلبہ کی متعدد تنظیمیں مختلف ناموں سے اپنے اپنے دائرہ میں کام کر رہی ہیں لیکن اس کے باوجود ایک ایسی سُنّی تحریک کی ضرورت تھی جو سُنّی طلبہ کی منتشر قوتوں کو ان کے امتیازی نام (اہل السنّت والجماعت) کے تحت متحد و منظم کر کے ملک و ملت کی خدمت کے لیے میدان عمل میں لے آئے۔ لیکن تحفظ و استحکام اسلام کا یہ کام جتنا ضروری اور اہم ہے اتنا ہی مشکل اور صبر آزما بھی ہے۔ کیونکہ سُنّی مسلمانوں کے اس عمومی تنزل اور ادبار اور پاکستان کے خصوصی موجودہ ابتلائی اور بحرانی دور میں سُنّی عنوان سے نوجوان طلبہ کی کسی تحریک کا اٹھنا ان سُنّی مسلمانوں کے لیے بھی بہت تعجب خیز امر ہے جو سُنّی مذہب اور سُنّی تاریخ اسلام سے صحیح طور پر واقف نہیں ہیں یا حب مال و زر اور حب جاہ و اقتدار کی وجہ سے ان کی دینی اور ملی حس بہت حد تک مفلوج ہو چکی ہے اور وہ اپنے اصلی مقصد حیات کو نظر انداز کر چکے ہیں۔ علاوہ ازیں ایسے افراد کی بھی کمی نہیں ہے جو رواداری اور اخوت اسلامی کے مروجہ مفہوم کی بنا پر سُنّی تحریک کو وحدتِ ملتِ اسلامیہ کے خلاف تصور کرتے ہیں حالانکہ سُنّی اور اہل سُنّت کا عنوان ایک ایسا مقدس عنوان ہے جس سے اسلامِ حقیقی کی صحیح نشاندہی ہوتی ہے اور وحدتِ ملی کے لیے ایک صحیح اساس قائم ہو جاتی ہے۔ یہ وہ جامع اور محبوب عنوان ہے جس کے ذریعہ ایک مسلمان محبوب خدا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات مقدسہ اور آپ کی سُنّت طیبہ کے ساتھ اپنی قلبی اور روحانی نسبت کا اظہار و اقرار کرتا ہے اور یہی وہ عظیم نسبت ہے جو تمام اسلامی نسبتوں کا سرچشمہ ہے۔

محال است سعدی کہ راہِ صفا
تواں رفت جز در پئے مصطفےٰ

سُنّتِ رسول کی شرعی حیثیت

لغوی معنی میں سنت طریقہ عادت، نمونہ اور خصلت کو کہتے ہیں۔ اور شرعی اصطلاح میں السنۃ سے مراد حضور رحمت للعٰلمین خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا افضل و اکمل نمونہ حیات ہے۔ سنت رسول ﷺ کا مفہوم بہت وسیع اور جامع ہے۔ چنانچہ آنحضرت کے اقوال وافعال اور اوامر ونواہی وغیرہ سب پر حدیث وسنت کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ تمام دینی اور شرعی عقائد واعمال، انفرادی اور اجتماعی، ملکی اور بین الاقوامی قوانین کا ماخذ کتاب اللہ کے بعد سنت رسول اللہ ہے (ﷺ) بلکہ کلام الٰہی (قرآن مجید) کے الفاظ وکلمات کا ثبوت بھی حضور سید الانبیاء والمرسلین ﷺ کی سنت وحدیث پر ہی موقوف ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ میں جن اہل ایمان کو بلا واسطہ زیارت نبوی کی نعمت عظمیٰ نصیب ہوئی ہے ان کو ایمان بالقرآن بھی ایمان بالرسول کے واسطہ ہی سے نصیب ہوا ہے۔ مرادِ خداوندی کے تحت قرآن حکیم کی تعلیم وتفسیر اور تشریح وتبیین کا ثبوت بھی رسول امین ﷺ کی حدیث وسنت پر ہی مبنی ہے اور قرآنی اور شرعی احکام کا کامل ترین نمونۂ عمل بھی حضور ﷺ کی سنتِ جامعہ ہی ہے اور جب ایمان بالقرآن، تعلیم وتبیین قرآن، تربیت اہل ایمان اور تزکیہ قلوب وارواح اصحابِ رسولِ انس وجان (ﷺ) کا اوّلین اور قطعی واسطہ امام الانبیاء والمرسلین ﷺ کی ذات اور آپ کی سنت مقدسہ ہی ہے تو پھر کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ پر یقین وایمان رکھنے والے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ہادی اعظم، رسول اکرم ﷺ کی سنت مقدسہ کے ساتھ اپنے ایمانی اور روحانی تعلق کا بلاخوف لومۃ لائم کھلم کھلا اظہار کر کے ان سب اعتقادی اور عملی فتنوں کا سدِ باب کریں جو اسلام کے نام پر سادہ لوح ناواقف مسلمانوں کو راہ حق، صراط مستقیم سے ہٹا کر کفر وباطل اور

الحاد وزندقہ کے جہنمی راستوں پر چلانے کی کوشش کر رہے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کی سنت مقدسہ کی نسبت کی بنا پر سنی اور اہل سنت ہونے کا اقرار امت مسلمہ کے موجودہ تشتت وافتراق اور ضلالت وانتشار کو ختم کرنے کا ایک مذہبی نشان ہے جس کے تحت تمام اہل اسلام رحمت للعالمین خاتم النبیین ﷺ کی شاہراہ سنت پر گامزن ہو کر فلاح دارین حاصل کر سکتے ہیں، ورنہ اگر سنت رسول اللہ ﷺ کو اسلام حقیقی کے تعین کے لیے ایک دینی اور شرعی نشان کے طور پر نہ تسلیم کیا جائے اور اس نسبت مقدسہ کا واضح طور پر اعلان نہ کیا جائے تو پھر اسلام کے نام پر جس جہنمی راستوں پر شیطان خصلت عیار لوگ ناواقف مسلمانوں کو چلانے کی کوشش کر رہے ہیں کامیاب ہو سکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں نبی کریم ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت کا نشان قرار دیا ہے مثلاً:

آیات قرآنیہ

① ..... مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ .

(پارہ ٦، سورۃ النساء: رکوع ١١، آیت نمبر ٨٠)

ترجمہ: جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی ہی اطاعت کی۔

② ..... قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (پارہ ٣۔ سورۃ آل عمران، رکوع ٤، آیت ٣١)

ترجمہ: آپ فرما دیجیے کہ اگر تم لوگ اللہ کی محبت چاہتے ہو تو تم میری اتباع کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔

③ ..... فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا.

(پارہ ٥۔ سورۃ النساء، رکوع ٩، آیت ٦٥)

ترجمہ: پس آپ کے رب کی قسم یہ لوگ ایماندار نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ آپ کو اپنے جھگڑوں میں حکم (فیصلہ کرنے والا) نہ تسلیم کریں۔ پھر آپ نے اس میں جو فیصلہ کیا ہے اس کی وجہ سے وہ اپنے دلوں میں تنگی نہ محسوس کریں اور آپ کے حکم کو اچھی طرح تسلیم کرلیں۔

④ ..... لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا (پارہ ۲۱۔ سورۃ الاحزاب، رکوع ۳، آیت ۲۱)

ترجمہ: تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں پیروی کے لیے ایک بہترین نمونہ موجود ہے جس کا فائدہ اس شخص کے لیے ہے جو اللہ کی اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کا ذکر زیادہ کرتا ہے۔

احادیثِ نبویہ

نبی کریم رحمت للعالمین ﷺ نے بھی اپنے معجزانہ ارشادات میں سنت مقدسہ کی شرعی حیثیت واضح فرمادی ہے۔

مثلاً: ① من احبّ سنتی فقد احبنّی ومن احبنّی کان معی فی الجنة

(مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ: جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

② من تمسک بسنتی عند فسادِ امتی فله اجر مائة شهيد.

(مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ: جو شخص میری امت کے بگاڑ اور فساد کے زمانہ میں میری سنت کو مضبوط پکڑے گا اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔

③ فمن رغب عن سنتی فلیس منی (مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ: جو شخص میری سنت سے روگردانی کرے گا وہ مجھ سے نہیں۔

④ ومن یعش منکم بعدی فسیریٰ اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنة الخلفآء الراشدین المهدیین (مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ: فرمایا تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا۔ پس ان حالات میں تم پر میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء کی سنت کی پیروی لازم ہوگی۔

مندرجہ بالا چار آیات اور چار احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ حضور رحمت للعٰلمین ﷺ کی سنت اور اسوۂ حسنہ کی اتباع اللہ تعالیٰ کی محبت اور اطاعت اور جنت کے حصول کا اولین واحد اور قطعی واسطہ ہے اور آنحضرت ﷺ کی سنت کی پیروی کو شرعاً حجت تسلیم کرنا ایمان کی علامت اور اس کا انکار عدم ایمان کی نشانی ہے۔ امت کے بگاڑ اور فساد اور افتراق واختلاف کے دور میں نہ صرف حضور خاتم النبیین ﷺ کی سنت کی پیروی لازم ہے بلکہ حضور کے خلفائے راشدین کی سنت (طریقہ) کی بھی پیروی لازم ہے جن کو معیار ہدایت بنایا گیا ہے اور جس طرح رسول پاک ﷺ کی محبت اور اطاعت اللہ تعالیٰ کی محبت اور اطاعت کا شرعی نشان ہے، اسی طرح خلفائے راشدین کی محبت اور اطاعت حضور رحمت للعالمین ﷺ کی محبت اور اطاعت کا مذہبی نشان ہے۔

الجماعۃ

اہل السنّت والجماعت کے امتیازی مذہبی نام میں السنة سے مراد سنت رسول (ﷺ) اور الجماعة سے مراد جماعت رسول ﷺ ہے۔ لہٰذا اہل السنّت والجماعت سے مراد وہ مسلمان ہیں جو حضور خاتم النبیین ﷺ کی سنت جامعہ سے اپنے قلبی اور ایمانی تعلق کے اعلان کے ساتھ حضور کی جماعت مقدسہ سے بھی اپنی قلبی اور روحانی نسبت کا اظہار واقرار کرتے ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید، دین حق، شریعت اسلامیہ، معجزات محمدیہ، کمالات نبویہ اور سنت جامعہ کے مابعد کی امت تک پہنچنے کا قطعی واسطہ مومنین کاملین کی وہی عظیم جماعت ہے جس کو بلاواسطہ آنحضرت ﷺ سے فیض یاب ہونے کا خصوصی

شرف حاصل ہوا ہے۔ اور نہ صرف یہ کہ جماعت رسول ﷺ کو صحبت نبوی سے علم و عمل کا کمال نصیب ہوا ہے بلکہ انوار نبوت کے پرتو سے ان کے قلوب و ارواح کو وہ نورانیت ملی ہے جو بعد کے ان اہل ایمان و تقوی کو نصیب نہیں ہو سکتی جن کو بلا واسطہ زیارت و صحبت نبوی سے فیض یاب ہونے کا موقعہ نہیں مل سکا۔ جماعت رسول ﷺ کے تمام افراد (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) رسالت محمدیہ کے چشم دید گواہ ہیں۔ مومنین کاملین کی یہی وہ جنتی جماعت ہے جن کو رب العٰلمین نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت عالم اسباب میں رسول اللہ کے ساتھ غلبہ دین کا ذریعہ بنایا ہے۔ اس لیے سنت رسول کی نسبت کے اظہار کے بعد جماعت رسول ﷺ کی نسبت کا اظہار بھی ضروری ہے تا کہ اس دینِ کامل اور راہِ جنت کی پوری پوری نشاندہی ہو جائے جو مابعد کی امت کو حضور خاتم النبیین ﷺ اور آپ کی جنتی جماعت کے واسطہ سے ملا ہے۔

دینِ اسلام

چونکہ انسان اپنے حواس، اپنی عقل اور اپنے تجربے کے ذریعہ نفع و نقصان، خیر و شر اور ان کے عواقب و نتائج کا پوری طرح ادراک نہیں کر سکتا اور نہ ہی وہ اپنے خالق و مالک کی رضا اور عدم رضا کو معلوم کر سکتا ہے۔ اس لیے رب العٰلمین نے انسان کی تعلیم و تربیت اور اصلاح و ہدایت کے لیے انبیائے کرام علیہم السلام کے واسطہ سے اپنا دین عطا فرمایا ہے۔ جس کا نام اسلام ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

① اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ .

(پارہ ۳۔ سورۃ آل عمران، رکوع ۲، آیت ۱۹)

ترجمہ: اللہ کے نزدیک (پسندیدہ) دین صرف اسلام ہے۔

② وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَ ھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ . (سورۃ آل عمران، رکوع ۹، آیت ۸۵)

ترجمہ: اور جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے گا وہ اس سے ہرگز قبول

نہیں کیا جائے گا۔اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

اسلام کا معنی ہے احکام خداوندی کے سامنے جھک جانا، فرمانبرداری کرنا، اور دین کا لغوی معنی جزا، بدلہ اور حساب ہے۔شرعاً دین اسلام اس نظام حیات کو کہتے ہیں جو رب العٰلمین نے انسان کی ہدایت وفلاح کے لیے متعین فرمایا ہے جس پر اس دنیا (دارالعمل) میں انسان اپنی فانی حیات میں عمل کرتا ہے۔اور جس کا پورا پورا بدلہ موت کے بعد آخرت میں ملے گا۔اسی لیے قیامت کے بعد کے جہان کو یوم الدین کہا جاتا ہے۔اور دین کا معنی عادت اور اطاعت وعبادت بھی ہے۔لہٰذا دین سے مراد عبادت واطاعت کا وہ طریقہ ہے جس کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دی ہے تاکہ اس کے مطابق صالح زندگی گزار کر اپنے رب کی رضا حاصل کرسکیں۔

اصول اسلام

اسلام تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا مشترکہ دین ہے جس کی دعوت اپنی اپنی امت کو ہر پیغمبر علیہ السلام نے دی ہے۔اسلام کے اولین قطعی اصول تین ہیں۔

(۱) توحید (۲) رسالت (۳) قیامت۔

ان تین اصولوں میں کسی قسم کی کوئی ترمیم اور کمی بیشی نہیں ہوسکتی۔ان اصول ثلثہ میں سے اگر کسی ایک کا بھی انکار کیا جائے تو کفر لازم آتا ہے۔تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے ان تین اصولوں کی اپنے اپنے دورِ نبوت میں تبلیغ فرمائی ہے۔تمام آسمانی کتابوں میں ان کی تصریح وتفصیل پائی جاتی ہے۔اور خالق کائنات کی آخری کامل و جامع کتاب (قرآن مجید) میں انہی اصول ثلثہ کی جابجا تشریح وتبیین فرمائی گئی ہے۔اسلام کے باقی تمام عقائد واحکام کا مبنیٰ یہی تین اصول دین ہیں۔

① توحید:

اسلام کا اصل الاصول عقیدہ توحید ہے۔توحید کا شرعی مفہوم یہ ہے کہ خالق کائنات

اللہ جل شانہ ایک ہے اور اس کی ذات، اس کی صفات اور اس کے مستحق عبادت ہونے میں اور کوئی بھی اس کا شریک اور ساجھی نہیں ہے۔ خالق کائنات وہی ہے باقی سب اس کی مخلوق ہے۔ موت وحیات (مخلوق کی) صرف اسی کے قبضہ اور اختیار میں ہے۔ مخلوق کے نفع ونقصان کا حقیقی مالک صرف وہی ہے۔ وہ علی کل شیٔ قدیر ہے یعنی جو چاہے کرسکتا ہے۔ اس کے سوا اور کوئی ایسی قدرت نہیں رکھتا کہ جو چاہے کرسکے۔ بلکہ مخلوق کا چاہنا اور کرنا بھی اس کی مشیت پر موقوف ہے وہ بکل شئی علیم کی شان رکھتا ہے یعنی ہمیشہ سے ہمیشہ تک (ازلی اور ابدی) ہر چیز کا ہر وقت یکساں علم رکھتا ہے۔ اور وہ نسیان اور بھول چوک سے بھی پاک ہے لیکن اللہ کے سوا اور کوئی بھی ایسا علم نہیں رکھتا۔ وہ ہر بات کو ہر وقت سننے والا ہے۔ اس کے سوا اور کسی میں یہ صفت نہیں پائی جاتی۔ وہ مافوق الاسباب مخلوق کی مصیبتیں دور کرنے والا ہے۔ سب کی حاجتیں اور مرادیں پوری کرنے والا ہے۔ اس کے سوا اور کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو اسباب کا محتاج نہ ہو اور بلا اِذن الٰہی اور بلا اسباب مخلوق کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کرسکے۔ جب قادر مطلق اور علیم وخبیر (ہر چیز کو ہمیشہ یکساں جاننے والا اور ہر بات کو ہر وقت سننے والا اور اپنے ارادہ کے مطابق ہر کام کرنے والا) صرف وہی ہے تو اس کے سوا اور کوئی بھی معبود (مستحق عبادت) نہیں ہوسکتا۔ سب قولی، فعلی اور مالی عبادتیں صرف اسی کے لیے ہیں۔ وہ قادر مطلق اور ہر طرح علیم وخبیر ہونے کی بنا پر کسی کا بھی محتاج نہیں ہے نہ اس کا کوئی وزیر ہے اور نہ کوئی مشیر اور ساری مخلوق اس کی محتاج ہے۔ دکھ، سکھ اور عزت وذلت سب اسی کے قبضہ قدرت میں ہے باوجود اتنی قدرت رکھنے کے اس کے سارے کام اس کی حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔ بہرصورت عقیدہ توحید کو ماننے سے ایمان حاصل ہوتا ہے اور اس کے انکار سے شرک وکفر لازم آتا ہے۔ اور شریعت میں شرک کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس کی صفات اور اس کی عبادت میں کسی اور کو بھی شریک کیا جائے۔ عقیدہ توحید کے اقرار واثبات کے لیے اسلام کا جامع کلمہ لا الہ الا اللہ ہے یعنی اللہ کے سوا اور کوئی بھی معبود (لائق عبادت)

نہیں ہے۔ اور چونکہ یہ کلمہ توحید اس آخری امت کو حضرت محمد رسول اللہ کے واسطہ سے ملا ہے اس لیے کلمہ اسلام میں توحید و رسالت دونوں کا اقرار کیا جاتا ہے۔ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کے سوا اور کوئی معبود (مستحق عبادت) نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں)۔

اصلی کلمۂ اسلام

اصلی کلمہ اسلام و ایمان صرف **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** ہے۔ جس میں صرف اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضور اکرم ﷺ کی رسالت کا اقرار کیا جاتا ہے۔ اور رسول امین خاتم النبیین ﷺ نے بھی اپنے تیئس سالہ دور رسالت میں کفار کو داخل اسلام کرتے وقت صرف توحید و رسالت کا ہی اقرار کرایا ہے۔ یہی کلمہ اسلام ہے اور یہی کلمہ ایمان۔

نبی کریم ﷺ نے کسی شخص سے بھی سوائے توحید و رسالت کی شہادت کے کلمہ اسلام میں اور کسی شخصیت کا اقرار نہیں لیا۔ اور توحید و رسالت پر مشتمل یہی وہ کلمہ اسلام ہے جس پر تمام ملت اسلامیہ کا اجماع ہے۔ خلفائے راشدین امام الخلفاء حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تیس سالہ دور خلافت راشدہ میں متفقہ طور پر یہی اصلی کلمہ اسلام تھا جس میں سوائے اللہ کی توحید اور حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی رسالت کے اقرار کے اور کسی نبی و رسول اور خلیفہ و امام کے اقرار کا کوئی نام و نشان نہیں ملتا۔ اس لیے بطور کلمہ اسلام و ایمان کے اس میں کمی بیشی کرنا یعنی توحید و رسالت میں سے کسی کا انکار کرنا یا توحید و رسالت کی شہادت کے علاوہ اور کسی خلیفہ و امام یا ولی مجدد کی خلافت و امامت یا ولایت و مجددیت کی شہادت کو از روئے عقیدہ ضروری قرار دینا کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو اصلی اور اجماعی کلمہ اسلام پر قائم دائم رکھے۔ آمین

② نبوّت

خالق کائنات نے اس دنیا میں انسان کو اپنا خلیفہ اور نائب بنایا ہے۔ اس نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت انسان میں جو جامعیت رکھی ہے وہ ملائکہ میں نہیں ہے۔ اور گو جنات بھی شریعت کے مکلّف ہیں اور ان کے لیے بھی جزاء وسزا ہے۔ لیکن بوجہ ناری ہونے کے ان میں بھی بار خلافت اٹھانے کی استعداد نہیں ہے۔ اور یہی وجہ ہے جنات میں سے کسی کو نبی نہیں بنایا گیا بلکہ ان کی ہدایت کے لیے بھی وہی انبیائے کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے ہیں جو انسانوں کے لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں سے ہی پیغمبر بھیجے ہیں۔ اور دراصل رب العٰلمین کے بلاواسطہ خلیفہ اور نائب پیغمبر ہیں اس لیے حسب اعلان خداوندی اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (تحقیق میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں)۔ اس دنیا میں پہلے انسان اور پہلے خلیفۃ اللہ (پیغمبر) حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ آپ کے بعد تمام پیغمبر آپ کی اولاد میں سے ہی ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فرستادہ پیغمبر بحیثیت خلیفہ اور نائب ہونے کے احکام خداوندی نافذ کرتے ہیں وہ رب العٰلمین اور دوسرے بندوں کے مابین ایک واسطہ ہوتے ہیں۔ بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ ان کو اپنا دین عطا کرتا ہے اور وہ احکام خداوندی اس کے بندوں تک پہنچا دیتے ہیں۔ پیغمبر معصوم ہوتے ہیں ان کے باطن نورانی اور پاک صاف ہوتے ہیں۔ ان سے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کا صدور نہیں ہوتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں تبلیغ کرتے ہیں۔ وہ ہر کام رضائے الٰہی کے تحت کرتے ہیں۔ ان سے صرف بھول چوک ہوسکتی ہے جو درحقیقت گناہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر فریضۂ رسالت میں کوتاہی نہیں کرسکتے۔ ان سے اگر کوئی بھول چوک اور لغزش ہوجاتی ہے تو اس کا تعلق فریضۂ رسالت سے نہیں ہوتا۔ اگر بالفرض انبیائے کرام علیہم السلام میں سے کسی نبی و رسول کے متعلق یہ کہا جائے کہ ان سے فریضہ رسالت میں کوتاہیوں کا صدور ہوا ہے تو اس کی بنا پر قادر مطلق خدا پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس نے العیاذ باللہ پیغمبر کے انتخاب

میں غلطی کی ہے۔تمام پیغمبر اپنی اپنی امت پر اتمام حجت کر دیتے ہیں تا کہ قیامت کے دن کوئی بارگاہ خداوندی میں ان کے خلاف کوئی عذر داری نہ پیش کر سکے۔

انبیائے کرام علیہم السلام بے عیب ہوتے ہیں ان کی سیرت معیاری ہوتی ہے اور گو ہر پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے باکمال بنایا ہے لیکن ان میں بھی فرق مراتب پایا جاتا ہے جن انبیائے کرام کو مستقل شریعت اور کتاب دی جاتی ہے ان کا درجہ ان انبیائے کرام علیہم السلام سے بڑا ہوتا ہے جو صاحب کتاب و شریعت نہیں ہوتے بلکہ کسی صاحب شریعت رسول علیہ السلام کی سابقہ شریعت ہی کی تبلیغ کرتے ہیں۔ البتہ ان پر اللہ تعالیٰ کی وحی نازل ہوتی ہے اور بطور اتمام حجت کے ان سے معجزات کا بھی صدور ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبروں پر ایمان لانا اور ان کی اتباع کرنا اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے اور آخرت میں فلاح پانے کا ذریعہ ہے۔ اور ان کی نافرمانی اور ان کا انکار یا ان کی بے ادبی موجب عذاب و غضب خداوندی ہے۔

منصبِ ختمِ نبوت

اس دنیا میں پہلے نبی ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام اور آخری نبی امام الانبیاء والمرسلین حضرت محمد رسول اللہ ہیں۔ رب العٰلمین نے بنی آدم کی اصلاح و ہدایت کے لیے نبوت کا جو سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع کیا تھا وہ لاکھوں انبیائے کرام علیہم السلام کے مبعوث ہونے کے بعد بالآخر افضل الانبیاء پر ختم کر دیا۔ چنانچہ قرآن مجید میں اعلان فرمایا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا.

(پارہ ۲۲۔ سورۃ الاحزاب، رکوع ۵، آیت ۴۰)

ترجمہ: حضرت محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں

اور لیکن اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اچھی طرح جاننے والا ہے۔

عربی لغت میں خاتم بمعنی مہر بھی آتا ہے اور بمعنی آخر بھی اور چونکہ کسی چیز پر مہر لگانے کے بعد اس کے اندر کی چیز باہر نہیں آسکتی اور باہر کی چیز اندر نہیں جاسکتی۔ اس لیے نبیوں کے لیے مہر ہونے کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر رسول کریم رحمت للعلمین ﷺ تک جتنے نبی بن چکے ہیں ان کی تعداد وہی رہے گی نہ اس میں کسی اور نبی کا اضافہ ہوگا اور نہ ان میں سے کسی کی نبوت سلب کی جائے گی اور خاتم بمعنی آخر کا یہ مفہوم ہوگا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔ اب کسی کو بھی نبوت نہیں دی جائے گی۔ اِعطائے نبوت کا سلسلہ حضور خاتم النبیین ﷺ پر ختم کردیا گیا ہے اور خود نبی کریم نے بھی ختم نبوت کا یہی مفہوم واضح فرمایا ہے۔ مثلاً

① انه لانبی بعدی وسیکون خلفآء فیکثرون (ترمذی)

ترجمہ: میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا اور عنقریب بکثرت خلفاء ہوں گے۔

① ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدی ولانبی. (ترمذی)

ترجمہ: تحقیق رسالت اور نبوت ختم ہوچکی ہے پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ کوئی نبی۔

قرآنی آیات اور نبوی ارشادات کی بنا پر تمام امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کا آج تک یہ اجماعی عقیدہ رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی رسالت و نبوت قیامت تک کے تمام جن وانس کے لیے ہے۔ تمام ازمنہ اور امکنہ کے لیے ہے۔ حضور ﷺ کے بعد پیدا ہوکر اگر کوئی شخص نبوت و رسالت کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ قطعی کافر ہے اور اس کو نبی و رسول یا ولی مجدد ماننے والے بھی قطعی کافر ہیں۔ اسی لیے علمائے امت نے دورِ حاضر کے مشہور دجال وکذاب مرزا غلام احمد قادیانی کو اس کے دعویٰ نبوت کی بنا پر قطعی کافر قرار دیا ہے۔ اور اس کو نبی یا مجدد ماننے والوں کو بھی (خواہ وہ قادیانی گروہ سے تعلق رکھتے ہوں یا لاہوری

گروپ سے) کفار میں شمار کیا گیا ہے۔ اور الحمد للہ ۷ر ستمبر ۱۹۷۴ کو آئین ساز اسمبلی میں لاہوری اور قادیانی دونوں قسم کے مرزائی گروہوں کو غیر مسلم قرار دے دیا گیا ہے۔ چنانچہ آئین میں ترمیم کے بعد جو قانونی دفعات منظور کی گئی ہیں۔ وہ حسب ذیل ہیں:

① یہ قانون آئین میں دوسری ترمیم کا قانون مجریہ ۱۹۷۴ء کہلائے گا۔ یہ قانون فوری طور پر نافذ العمل ہوگا۔

② اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کے آرٹیکل ۱۰۶ کی دفعہ نمبر ۳ میں لفظ فرقے کے بعد قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں) کے افراد کے الفاظ شامل کیے جائینگے۔

③ آئین کے آرٹیکل ۲۶۰ میں دفعہ نمبر ۲ کے بعد حسب ذیل نئی دفعہ شامل کی جائے گی۔

① جو شخص حضرت محمد مصطفیٰ کے خاتم النبیین ہونے پر مکمل اور غیر مشروط یقین نہ رکھتا ہو یا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بعد الفاظ کے کسی بھی مفہوم یا اظہار کی صورت میں نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہو یا اس قسم کے دعویدار کو نبی یا مصلح مانتا ہو وہ آئین یا قانون کے مقاصد کے تحت مسلمان نہیں ہے۔ اور تعزیرات پاکستان کی دفعہ نمبر ۲۹۵ میں حسب ذیل تشریح بھی شامل کر دی گئی ہے کہ:

''جو مسلمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے (جیسا کہ آئین کے آرٹیکل نمبر ۲۹۰ کی دفعہ نمبر ۳ میں صراحت کر دی گئی ہے) کے تصور کے خلاف عقیدہ رکھے عمل کرے یا پرچار کرے گا اسے اس دفعہ کے تحت سزا دی جا سکے گی۔''

(بحوالہ نوائے وقت راولپنڈی ۸ر ستمبر ۱۹۷۴ء)

بعض شبہات کا ازالہ

قادیانی دجال کے پیروکار یہ اعتراض کرتے ہیں کہ نبوت و رسالت تو بنی آدم کے

لیے اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے جس کا سلسلہ جاری رہنا ہی بندوں کے لیے انعام خداوندی ہے۔اس لیے اس نعمت کا ختم ماننا انکار وکفران نعمت ہے۔

الجواب

بلاشک نبوت ورسالت بنی آدم کے لیے نعمت ہے اور عقیدہ ختم نبوت کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ نعمت نبوت بالکل ہی ختم ہوگئی ہے بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی نبوتوں کے سلسلہ کو ختم کر کے اللہ تعالیٰ نے ایک سب سے بڑی نبوت ورسالت، رسالت محمدیہ کی صورت میں اس آخری امت کو عطا فرمائی ہے جو قیامت تک رہے گی۔حضرت محمد رسول اللہ آفتاب رسالت ہیں۔اور آفتاب عالمتاب کے ہوتے ہوئے اور کسی روشنی کی ضرورت نہیں رہتی۔ختم نبوت سے مراد اعطائے نبوت کا انقطاع ہے نہ کہ آفتاب نبوت ورسالت کا۔

② عقیدہ ختم نبوت کے باجود مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر زندہ اٹھالیا ہے۔آپ پر ابھی تک طبعی موت نہیں آئی اور آپ قرب قیامت میں آسمان سے نازل ہونگے اور دجال اکبر کو قتل کریں گے۔

اس پر مرزائی گروہ یہ اعتراض کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ آنے کا عقیدہ مسلمانوں کے عقیدہ ختم نبوت کے منافی ہے۔اور اگر نزول عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کا عقیدہ ختم نبوت کے منافی نہیں حالانکہ وہ بھی نبی ہیں تو پھر مرزا غلام احمد قادیانی کو آنحضرت ﷺ کے بعد نبی ماننا بھی عقیدہ ختم نبوت کے خلاف نہیں ہے؟

الجواب

حضرت محمد رسول اللہ کی ختم نبوت کا جو مفہوم تمام امت محمدیہ مانتی ہے اور جس کی وضاحت مندرجہ بالا مفہوم میں کردی گئی ہے وہ عقیدہ ختم نبوت کے خلاف نہیں ہے۔کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضور ﷺ سے پہلے کے نبی ہیں نہ کہ بعد کے۔آپ کا دور رسالت

تو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے تقریباً ساڑھے پانچ سو سال پہلے گزر چکا ہے جس میں آپ نے بنی اسرائیل کو تبلیغ رسالت فرمائی ہے اور باذن اللہ آپ سے احیاءِ موتی جیسے عظیم معجزات کا ظہور بھی ہو چکا ہے اور مروجہ سن عیسوی بھی (جو اب ۱۹۷۹ء ہے) اس امر کی دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضور خاتم النبیین ﷺ سے پہلے کے نبی ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو طویل حیات عطا فرمائی ہے۔ اور جسم عنصری سمیت آسمانوں پر اٹھا لیا ہے اور دوبارہ آپ زمین پر نزول فرمائیں گے تو اس وقت آپ اپنی نبوت کی تبلیغ نہیں فرمائیں گے بلکہ شریعت محمدیہ کی تبلیغ فرمائیں گے۔ لہٰذا رفع عیسےٰ و نزول عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ ختم نبوت کے بالکل خلاف نہیں ہے۔ بہر حال رفع و نزول عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ بھی برحق ہے اور ختم نبوت کے مذکورہ مفہوم پر امت مسلمہ کا اجماع بھی برحق ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام دجالی فتنوں سے ملت اسلامیہ کو محفوظ رکھیں۔ (آمین)

③ قیامت

قیامت پر ایمان لانا بھی توحید و رسالت کی طرح فرض ہے۔ فرداً فرداً اولاد آدم کی موت کے بعد تمام بنی آدم بلکہ موجودہ تمام جہان دنیا کی اکٹھی موت کے دن کو روز قیامت کہتے ہیں اور اس دن انسان کے تمام اعمال زندگی کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے اس دنیا میں انجام دیئے تھے۔ اس لیے قیامت کو یوم الدین (روز جزا) بھی کہتے ہیں حق تعالیٰ جنتی اعمال والوں کو جنت میں اور جہنمی اعمال والوں کو دوزخ میں داخل کریں گے۔ کافر ہمیشہ جہنم میں اور اہل ایمان آخر کار جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

رسولِ کامل

تمام پیغمبر بے عیب اور معصوم ہیں اور اپنے اپنے درجہ میں کامل ہیں۔ ہر نبی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے امت کی ہدایت کے لیے حسب ضرورت و کمالات نبوت دے کر مبعوث فرمایا ہے لیکن اس آخری امت کے لیے رب العٰلمین نے حضور رحمت للعالمین کو

خاتم النبیین (آخری نبی) بنا کر مبعوث فرمایا ہے اور اب کوئی نیا نبی پیدا نہیں ہوگا اور قیامت تک ہر زمان و مکان کے اعتبار سے حضور ﷺ ہی کی نبوت و رسالت تمام جن و انس کے لیے ہے۔ اس لیے خالق کائنات نے آنحضرت ﷺ کو نبوت اور رسالت کے سارے کمالات عطا فرما دیئے ہیں نہ صرف سیرت بلکہ صورت میں بھی حضور ﷺ سب سے اعلیٰ شان رکھتے ہیں۔ معجزات محمدی انبیائے سابقین علیہم السلام کے معجزات سے افضل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم ﷺ کو ملائکہ اور انبیاء وغیرہ ساری مخلوق سے زیادہ علم عطا فرمایا ہے۔ حضور ﷺ کو جو قربِ خداوندی حاصل ہے وہ اور کسی پیغمبر اور فرشتہ کو حاصل نہیں۔ آنحضرت ﷺ کو جو جسمانی اور روحانی خصائص عطا کیے گئے ہیں وہ اور کسی کو نہیں عطا کئے گئے۔ عالم دنیا، عالم برزخ اور عالم آخرت وغیرہ تمام جہانوں میں حضور ﷺ ہی کو سیادت و امامت حاصل ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

انا سید وُلد اٰدم یوم القیٰمة ولا فخر و بیدی لوآء الحمدُ ولا فخر وما من نبیّ یومئذ اٰدم فمن سواہ الا تحت لوائی. (مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ: میں قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور مجھے فخر نہیں ہے اور میرے ہاتھ میں اللہ کی حمد کا جھنڈا ہوگا اور فخر نہیں ہے اور حضرت آدم اور تمام انبیائے میرے جھنڈے کے نیچے ہونگے اور فخر نہیں ہے۔

علاوہ ازیں نبی کریم رحمت للعالمین خاتم النبیین ﷺ کو قیامت میں تمام بنی آدم کے لیے شفاعتِ کبریٰ کا مقام نصیب ہوگا۔ آنحضرت ﷺ ہر اعتبار سے رسول کامل (آفتاب رسالت) ہیں۔ خالق کائنات نے اپنی مخلوق میں آپ جیسا باکمال نہ پہلے پیدا کیا ہے اور نہ آئندہ پیدا کرے گا۔

دینِ کامل

اللہ تعالیٰ نے ہر نبی علیہ السلام کو ان کی امت اور زمانہ کے احوال کے مطابق جو دین

دیا ہے وہ ان کی ضروریات کے تحت ہدایت کے لیے کامل تھا۔ انبیائے سابقین علیہم السلام کے احکام شریعت اپنی اپنی امت کے لیے کافی تھے لیکن امم سابقہ کو جو دین دیا گیا تھا وہ قیامت تک کے ہر دور اور ہر قوم کے لیے کافی نہ تھا کیونکہ ان انبیائے کرام علیہم السلام کی نبوت کا زمانہ محدود تھا۔ اور حضور خاتم الانبیاء کی نبوت و رسالت چونکہ قیامت تک کے لیے ہے اب نہ کوئی نئی نبوت ہوگی اور نہ ہی کوئی نئی شریعت۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے تحت اس آخری امت کی ہدایت کے لیے جو دین عطا فرمایا ہے وہ قیامت تک کی امت کے لیے ہر دور اور ہر قوم کی ضروریات کے لیے اصولی طور پر کافی جامع اور کامل ہے۔ جس طرح ہمارے رسول کریم ﷺ آخری نبی کی حیثیت سے کامل علی الاطلاق اور نبوت و رسالت کے تمام کمالات کے جامع ہیں۔ اسی طرح آنحضرت کو جو دین دیا گیا ہے وہ بھی بہ نسبت سابقہ ادیان کے کامل علی الاطلاق ہے کہ خواہ انسان اور زمان میں ہزاروں انقلابات آتے رہیں یہی دین اصولی طور پر تربیت و تکمیل انسانیت کے لیے منبع ہدایت رہے گا۔ اسی بنا پر رب کائنات نے آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت کی طرح قرآن مجید میں تکمیل دین کا بھی اعلان فرمادیا ہے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (پارہ ۶۔ سورۃ المائدہ، رکوع ۱، آیت ۳)

ترجمہ: آج کے دن تمہارے لیے میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا ہے اور میں نے تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور میں نے تمہارے لیے دین اسلام پسند کر لیا۔

کتابِ کامل

ہر نبی پر امت کی رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ کی وحی نازل ہوتی ہے۔ لیکن ہر نبی علیہ السلام کو مستقل کتاب نہیں دی گئی اور بعض انبیاء پر چھوٹے چھوٹے صحیفے نازل ہوتے رہے ہیں۔ اور بعض پر کتابیں نازل کی گئی ہیں۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات، حضرت

داؤد علیہ السلام کو زبور اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل دی گئی ہے جن انبیاء علیہم السلام پر مستقل شریعت اور کتاب نازل کی گئی ہے ان کو شرعی اصطلاح میں رسول کہا جاتا ہے۔ لیکن وہ رسول چونکہ آخری نبی نہیں تھے اس لیے ان پر جو آسمانی کتابیں نازل ہوئی ہیں وہ صرف محدود زمانوں کے لیے تھیں۔ ان میں ایسے احکام نہیں تھے جو قیامت تک کی ہدایت کے لیے کافی ہوں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کتابوں کی حفاظت نہیں فرمائی اور ان میں انسانی تصرفات کی وجہ سے تحریف وتبدیلی ہوگئی۔ لیکن حضرت محمد رسول اللہ چونکہ آخری نبی ہیں اور حضور ﷺ کا دین آخری کامل ومکمل دین ہے اس لیے قیامت تک کی اصولی ہدایت کے لیے حق تعالیٰ نے کتاب بھی کامل عطا فرمائی ہے۔ اور اس کی حفاظت کا بھی اعلان فرما دیا ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ

(پارہ ۱۴۔ سورۃ الحجر، رکوع ۱، آیت ۹)

ترجمہ: تحقیق ہم نے اس نصیحت (کی کتاب) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی ضرور حفاظت کرنے والے ہیں۔

چونکہ قادر مطلق نے قرآن مقدس (کتاب کامل) کی حفاظت کی ذمہ داری لے لی ہے اس لیے ساری مخلوق مل کر بھی حفاظت خداوندی کے خلاف کامیاب نہیں ہوسکتی۔ گو اعدائے اسلام نے قرآن مجید کو محرف بنانے کے لیے طرح طرح کی سازشیں کی ہیں اور کرتے بھی رہیں گے لیکن وہ اعلان خداوندی کے مقابلے میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔ حضور خاتم النبیین ﷺ جس ترتیب سے قرآن حکیم کی تعلیم فرما گئے ہیں اور اسی ترتیب کے مطابق دورِ رسالت میں بھی سینکڑوں حفاظ قرآن موجود تھے۔ جن میں خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نام خصوصیت سے مذکور ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے بعد اسی ترتیب سے قرآن مقدس ہر زمانہ میں موجود رہا ہے۔ آج بھی لاکھوں حفاظ قرآن موجود

ہیں۔ کتابی صورت میں کروڑوں کی تعداد میں قرآن حکیم کی اشاعت ہو رہی ہے اور حسب وعدہ خداوندی ان شاء اللہ قیامت تک جن وانس کی ہدایت کے لیے محفوظ اور موجود رہے گا۔ گو قرآن کا نزول دوسری ترتیب سے ہوا ہے جو رب العٰلمین کی حکمت پر مبنی ہے لیکن آنحضرت ﷺ نے اپنے بلاواسطہ تلامذہ (صحابہ کرام) کو اسی ترتیب کی تعلیم دی ہے جو آج دنیا میں موجود ہے۔ اس لیے قرآن مجید میں جس طرح کمی بیشی نہیں کی جاسکتی اسی طرح اس کی ترتیب میں بھی کسی مخلوق کا تصرف نہیں چل سکتا۔ اگر بالفرض یہ کہا جائے کہ قرآن کی ترتیب میں حضور اکرم ﷺ کے بعد تبدیلی کر دی گئی ہے۔ تو اول تو یہ نظریہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے اعلان کے خلاف ہے کیونکہ حفاظت قرآن سے مراد ہر طرح سے کلی ہی حفاظت مراد ہوسکتی ہے نہ کہ جزوی۔ دوسرے یہ کہ اگر اصلی ترتیب میں بالفرض انسانی ہاتھوں سے تبدیلی کی گئی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس قرآن مجید کی حفاظت کیوں نہیں فرمائی جو آنحضرت ﷺ نے ترتیب دیا تھا۔ کیا کوئی شخص یا گروہ موجودہ قرآن کے علاوہ کوئی اور قرآن پیش کرسکتا ہے جو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی تعلیم فرمودہ ترتیب کے مطابق ہو۔ اور اگر کہیں ایسا قرآنی نسخہ موجود ہو لیکن امت کی اس تک رسائی نہیں ہوسکتی تو اس کا امت محمدیہ علیٰ صاحبها الصلوٰة والتحیه کو کیا فائدہ پہنچ رہا ہے؟ بہرحال اس حقیقت پر ایمان لانا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قرآن حکیم جس ترتیب سے قیامت تک کی ہدایت کے لیے ضروری تھا اسی ترتیب سے آج تک موجود ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ حفاظت خداوندی کے تحت قیامت تک موجود رہے گا۔ اور موجودہ ترتیب سے ہی لاکھوں حفاظ قرآن کا وجود اس امر کی دلیل ہے کہ یہی ترتیب حق تعالیٰ کی پسندیدہ ہے اور اسی ترتیب سے محبوب خدا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے بحکم خداوندی اپنے اصحاب کو تعلیم دی ہے۔

ماشاء الله لاقوة الا بالله.

جماعتِ کامل

جب اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ کے تحت اس آخری امت کو رسول کامل، دین کامل اور کتاب کامل جیسی کامل ترین نعمتیں عطا فرمائی ہیں تو اسی کی حکمت کاملہ کا یہ تقاضا تھا کہ نبی کریم رحمت للعالمین ﷺ سے بلاواسطہ تعلیم و تربیت حاصل کرنے والے افراد امت بھی کامل بن جائیں جن کو حق تعالیٰ نے رسول اللہ کی نصرت کے لیے چن لیا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید میں نبی کریم ﷺ کی فیض یافتہ کامل جماعت کا جابجا تذکرہ موجود ہے۔ مثلاً آیت:

① كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (پارہ۴۔سورۃ آل عمران، رکوع ۱۲، آیت ۱۱۰)

ترجمہ: تم سب سے بہتر جماعت ہو جو لوگوں (کی ہدایت) کے لیے ظاہر کی گئی ہے۔ تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اس آیت میں بہتر جماعت (خیر امت) سے مراد وہی مومنین کاملین ہیں جو اس کے اولین مخاطب ہیں اور جن کو زیارت و صحبت نبوی کی نعمت نصیب ہوئی تھی اور اُخرجت للناس سے واضح ہوتا ہے کہ جماعت رسول ﷺ کو حق تعالیٰ نے خصوصی طور پر کامل ہدایت عطا فرمائی ہے تاکہ وہ دوسرے لوگوں کے لیے ذریعہ ہدایت بن سکیں جو زیارت و صحبت نبوی کا شرف حاصل نہیں کر سکے۔ بہرحال جب بلاواسطہ جماعت رسول ﷺ کو خود خداوند عالم نے تمام امتوں اور جماعتوں سے بہتر فرمایا ہے تو پھر جماعت صحابہ کے بہتر ہونے میں کسی اہل ایمان کو کیونکر شک ہو سکتا ہے۔

② وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا .

(پارہ۵۔سورۃ النساء، رکوع ۱۸، آیت ۱۱۵)

ترجمہ: اور جو شخص رسول اللہ کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ اس پر ہدایت واضح ہو چکی ہے۔ اور جو مومنین کی راہ کے علاوہ کسی اور راہ پر چلے گا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دینگے اور (قیامت میں) ہم اس کو جہنم میں داخل کرینگے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جہنم میں داخل کرنے کا اعلان فرمایا ہے جو رسول اللہ کی مخالفت کرنے والے ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں کو بھی جہنم کی وعید سنائی گئی ہے جو المومنین کے راستہ کے خلاف کسی اور راستہ پر چلنے والے ہیں۔ ظاہر ہے کہ آیت میں المومنین سے مراد وہی اہل ایمان ہیں جو نزول آیت کے وقت موجود تھے۔ جو قرآن کے اوّلین مخاطب ہیں اور جن کو بارگاہِ رسالت سے فیض یاب ہونے کا عظیم دینی شرف نصیب ہوا ہے۔ یہی رسول اللہ کی وہ کامل جماعت ہے جن کا اس آیت سے دوسروں کے لیے معیار حق ہونا ثابت ہوتا ہے کہ جن کی پیروی میں جنت ملتی ہے اور جن کی مخالفت سے عذاب جہنم کا سزا وار بنتا ہے۔ مجموعی حیثیت سے رسول اللہ کے بعد جماعت رسول اللہ (یعنی صحابہ کرامؓ) کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قطعی وحی میں وہ شرعی مقام عطا فرمایا ہے جو انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد اور کسی کو نصیب نہیں ہوا کہ ان کی اتباع باعث رضائے الٰہی اور ان کی مخالفت موجب غضب خداوندی ہے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

۴ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ فَسَیَكْفِیْكَهُمُ اللّٰهُ وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ.

(پارہ اول۔ سورۃ البقرۃ، رکوع ۱۶، آیت ۱۳۷)

ترجمہ: سو اگر وہ بھی اسی طریق سے ایمان لے آئیں جس طریق سے تم ایمان لائے ہو تو وہ بھی ہدایت پر ہونگے۔ اور اگر وہ اس طرح ایمان لانے سے روگردانی کریں تو بیشک وہ مخالفت میں ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ ان کی شر سے بچانے کے لیے آپ کو کافی ہے اور وہی ہر بات کو سننے والا اور ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔

اس آیت میں بھی اٰمَنُتُمْ سے مراد وہی جماعت رسول کے افراد ہیں جو ایمان و ہدایت میں دوسروں سے سبقت حاصل کر چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کامل کو ان لوگوں کے ایمان کے لیے ایک معیار قرار دیا ہے جو ابھی تک ایمان نہیں لائے۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ اصحابِ رسول ﷺ درجہ بدرجہ دوسروں کے لیے معیارِ حق و ایمان ہیں۔ جن کے ایمان کو صحیح اور معیاری تسلیم کرنے کے بغیر کسی کو ایمان نصیب نہیں ہوسکتا۔

۴ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۔

(پارہ ۲۶۔ سورۃ الفتح، رکوع ۴، آیت ۲۹)

ترجمہ: (حضرت) محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں سخت (مضبوط) ہیں اور آپس میں مہربان ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں ان کو کہ وہ رکوع کرنے والے اور سجدہ کرنے والے ہیں۔ وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں۔ سجدہ کے آثار ان کے (نورانی) چہروں پر نمایاں ہیں۔ ان کے یہ اوصاف تورات میں بھی ہیں اور انجیل میں بھی۔ ان کی مثال اس کھیتی کی سی ہے جس نے اپنی سوئی نکالی۔ پھر اس نے اس کو مضبوط کیا پھر وہ موٹی ہوگئی۔ پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی۔ کسانوں کو وہ کھیتی بہت اچھی لگتی ہے۔ (اور اللہ تعالیٰ نے اصحابِ رسول ﷺ کے اوصاف اس لیے بیان فرمائے ہیں) تاکہ وہ ان کی وجہ سے کافروں کو غصہ دلائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے جو ان میں سے ایمان اور عمل صالح رکھتے ہیں مغفرت اور

اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔

یہ آیات ان تقریباً چودہ سو اصحاب رسول ﷺ کے حق میں نازل ہوئی ہیں جو واقعہ حدیبیہ میں حضور ﷺ کے ساتھ تھے اور جن کو ایک کیکر کے درخت کے نیچے حضور رحمت للعالمین ﷺ کے دست مبارک پر حضرت عثمان ذوالنورینؓ کا انتقام لینے کے لیے موت و جہاد کی بیعت کرنے کا شرف حاصل ہوا تھا اور جن کو اللہ تعالیٰ نے اسی سورۃ فتح کی آیت لقد رضی اللہ عن المومنین اذیبا یعونک تحت الشجرۃ میں اپنی رضا مندی کی سند عطا فرمائی تھی (یعنی اللہ تعالیٰ ان اہل ایمان سے راضی ہوگیا جو ایک درخت کے نیچے آپ کی بیعت کر رہے تھے) اسی لیے اس تاریخی بیعت کو بیعت رضوان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور چونکہ قرآن میں مذکورہ بالا مخصوص صفات کاملہ ان اصحاب حدیبیہ کو آنحضرت ﷺ کی معیت وصحبت کے فیضان سے نصیب ہوئی تھیں۔ اس لیے درجہ بدرجہ ان آیات کا مصداق ثانوی درجے میں وہ تمام اصحاب ثابت ہوتے ہیں جن کو حضور رحمت للعالمین ﷺ کی صحبت اور سنگت کا عظیم شرف حاصل ہوا ہے۔

② لیغیظ بھم الکفار کی آیت سے معلوم ہوا کہ اصحاب رسول ﷺ کی ایمانی صفات کے تذکرہ سے جس آدمی کے دل میں غیظ وغضب پیدا ہو جائے وہ کافر ہے۔

③ اللہ تعالیٰ کی بیان فرمودہ کھیتی کی مثال سے ثابت ہوتا ہے کہ اصحاب رسول ﷺ کی کثیر تعداد قرآن کی مذکورہ صفات سے متصف ہے نہ کہ معدودے چند اصحاب کیونکہ کھیتی میں ہزار ہا پودے ہوتے ہیں۔

④ ہری بھری اور پکی ہوئی کھیتی سے معلوم ہوا کہ جماعت رسول ﷺ کے تمام افراد پختہ ایمان والے تھے اور ان کو جماعتی قوت وشوکت ایسی نصیب ہوگئی تھی کہ رسول اکرمؐ ان سے خوش تھے کیونکہ اپنی محنت کی کامیابی کا مشاہدہ فرما لیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ بھی ان مومنین کاملین سے راضی تھا جس نے محض اپنی خصوصی نصرت سے ان کو یہ فتح و کامرانی عطا فرمائی تھی لیکن کفار اور دشمنانِ اسلام جماعت رسول ﷺ کی عظیم اسلامی

شوکت وسطوت کی وجہ سے اپنی کامیابی سے بالکل مایوس ہوگئے تھے۔ اس لیے اندر ہی اندر غیظ وغضب کی آگ میں جلتے رہتے تھے۔

⑤ گو اصلی تورات وانجیل محرف ہوچکی ہیں لیکن پھر بھی ان میں بعض عبارتیں ایسی موجود ہیں جو قرآن مجید کی پیشگوئیوں کی تصدیق کرتی ہیں۔ چنانچہ موجودہ بائیبل میں تورات سفر استثناء، باب ۳۳ میں یہ لکھا ہے کہ:

> خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت ان کے لیے تھی۔

یہاں سینا سے مراد کوہ طور ہے اور وہاں سے خداوند کے آنے سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا کرنا ہے۔ لیکن کوہ شعیر اور فاران کے پہاڑ عرب میں ہیں۔ ان میں سے جبل شعیر مدینہ منورہ سے متصل ہے اور فاران کا پہاڑ مکہ مکرمہ سے متصل ہے۔ اور دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آنے کی پیشگوئی کا تعلق فتح مکہ سے ہے جو ۸ھ میں سرور کائنات ﷺ نے دس ہزار صحابہ کے لشکرِ جرار کے ساتھ فتح کیا تھا۔ بائیبل کے قدیم نسخوں میں تو دس ہزار قدوسیوں کے الفاظ ہیں جو واقعہ کے بالکل مطابق ہیں لیکن تورات کی اس عبارت سے چونکہ رسول اللہ اور آپ کے دس ہزار فاتحین صحابہ کی حقانیت ثابت ہوتی تھی۔ اس لیے پادریوں نے بعد کے نسخوں میں بجائے دس ہزار کے لاکھوں کا لفظ لکھ دیا ہے۔ بہرحال قرآن پر ایمان رکھنے والوں کو آنحضرت ﷺ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی ان مقدس صفات کو تسلیم کرنا پڑتا ہے جو قرآن حکیم میں مذکور ہیں۔

⑤ وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ.

(پارہ ۱۱۔ سورۃ التوبہ، رکوع ۱۳، آیت ۱۰۰)

ترجمہ: اور جو مہاجرین اور انصار ایمان لانے میں سبقت اور پہل کرنے والے ہیں اور جو لوگ اخلاص سے ان کی پیروی کرنے والے ہیں ان (سب) سے اللہ راضی ہوگیا اور وہ اس سے راضی ہوگئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جنتیں تیار کر رکھی ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے مومنین کا ذکر فرمایا ہے۔

① مہاجرین: جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم سے ترک وطن کیا ہے۔

② انصار: (مددگار) مدینہ منورہ میں رہنے والے صحابہ جنہوں نے رسول اللہ اور مہاجرین صحابہ کی دین میں نصرت فرمائی ہے۔

③ وہ مومنین جو مہاجرین و انصار میں شامل نہیں اور بعد میں آنحضرت ﷺ کے دستِ مبارک پر ایمان لانے والے ہیں۔ اور مہاجرین اور انصار صحابہ کی مخلصانہ طور پر پیروی کرنے والے ہیں۔ اور ان صحابہ کے بعد قیامت تک کے مومنین اس آیت کا مصداق بنتے ہیں جو مہاجرین اور انصار صحابہ کی خلوص و نیکی سے اتباع کرنے والے ہیں۔ ان سب سے اللہ راضی ہے اور وہ بھی اللہ سے راضی ہیں اور اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ تمام اصحاب رسول ﷺ میں سے افضلیت ان صحابہ کرام کو حاصل ہے جو مہاجرین اور انصار میں سے ہیں۔ یہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے معیار ہیں جو ان میں شامل نہیں۔ اور مجموعی حیثیت سے تمام جماعت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بعد کے ان تمام مومنین کے لیے معیار حق ہیں جن کو صحابی ہونے کا شرف نصیب نہیں ہوا۔ اور مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بھی یہ چار اصحابؓ افضلیت رکھتے ہیں جن کو حق تعالیٰ نے خلافت راشدہ کا عظیم منصب عطا فرمایا ہے یعنی امام الخلفاء حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔

احادیث نبویہ اور جماعت رسول ﷺ

نبی کریم رحمت العالمین، خاتم النبیین ﷺ نے اپنی جماعت صحابہ کی جو صفات و خصوصیات بیان فرمائی ہیں وہ بطور نمونہ حسب ذیل ہیں:

① قَالَ رَسُوْلَ اللّٰہ ﷺ اِنَّ اللّٰہَ اَخْتَارَ اَصْحَابِیْ عَلٰی الثَّقَلَیْنِ سِوَی النَّبِیِّیْنَ وَالْمُرْسِلِیْنَ. (الاصابہ فی تمیز الصحابۃ، جلد اول، مولفہ حافظ ابن حجر عسقلانی محدث)

ترجمہ: رسول اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سوائے انبیاء اور مرسلین کے تمام ثقلین (یعنی جن وانس) میں میرے اصحاب کو چن لیا ہے۔

② قَالَ رَسُوْلَ اللّٰہ ﷺ اَکْرِمُوْا اَصْحَابِیْ فَاِنَّھُمْ خِیَارُکُمْ. (مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ: رسول اللہ نے (اپنی امت کو) ارشاد فرمایا کہ میرے اصحاب کا اکرام کرو کیونکہ وہ تم میں سے بہتر ہیں۔

③ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰہ ﷺ اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْم بِاَیِّھِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ. (مشکوٰۃ شریف وشفاء قاضی عیاضؒ محدث)

ترجمہ: ''میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں ان میں سے جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاؤ گے۔''

④ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰہ ﷺ اَللّٰہُ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِیْ. فَمَنْ اَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّی اَحَبَّھُمْ وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَھُمْ. وَمَنْ اٰذَاھُمْ فَقَدْ آذَانِیْ وَمَنْ آذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰہَ. وَمَنْ اٰذَی اللّٰہَ فَیُوْشِکَ اَنْ یَاخُذَہٗ. (مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ: رسول اللہ نے فرمایا کہ میرے اصحاب کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو۔ میرے بعد ان کو (طعن و جرح کا) نشانہ نہ بناؤ۔ پس جس نے ان سے محبت رکھی اس نے میرے ساتھ محبت رکھنے کی وجہ سے ان سے محبت رکھی۔ کیونکہ جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میرے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض

رکھا۔ اور جس نے ان کو ایذا پہنچائی اس نے مجھے ایذا پہنچائی اور جس نے مجھے ایذا پہنچائی اس نے اللہ کو ایذا پہنچائی۔ اور جو اللہ کو ایذاء دینا چاہے تو قریب ہے کہ اللہ اس کو عذاب میں پکڑ لے گا۔

⑤ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: تَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلٰثٍ وَّسَبْعِیْنَ مِلَّةً کُلُّهُمْ فِی النَّارِ اِلَّا مِلَّةً وَّاحِدَةً. قَالُوْا مَنْ هِیَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ. (مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ: میری امت ۷۳ ملتوں (گروہوں) میں بٹ جائے گی۔ جو سوائے ایک ملت (گروہ) کے سب جہنم میں جائیں گی۔ اصحاب نے عرض کیا کہ وہ جنتی لوگ کون ہونگے تو فرمایا جو میرے اور میرے اصحاب کے طریقے پر ہونگے۔

اس آخری حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ تمام اصحاب رسول ﷺ۔ حضور ﷺ کے بعد باقی امت کے لیے معیار حق ہیں کہ ان کی اتباع میں جنت ملے گی اور ان کی مخالفت میں جہنم کی سزا ملے گی۔ آنحضرت ﷺ نے جن ۷۳ فرقوں اور گروہوں کے بارے میں پیشگوئی فرمائی ہے اس سے مراد وہ گروہ ہیں جن میں از روئے عقیدہ اختلاف پایا جاتا ہے نہ کہ فروعی۔ اور اس حدیث کا مضمون اور سابقہ آیات میں آیت (نمبر۲) کا مضمون ایک ہی ہے کہ دونوں جگہ جماعت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مابعد کی امت کے لیے جنتی اور جہنمی ہونے کے لیے ایک شرعی معیار قرار دیا گیا ہے۔

خلاصہ آیات واحادیث

مندرجہ آیات و احادیث سے صراحتاً ثابت ہوتا ہے کہ مجموعی حیثیت سے تمام جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک مخصوص شرعی مقام ہے جو سوائے انبیائے کرام علیہم السلام کے اور کسی امت اور جماعت کو عطا نہیں کیا گیا۔ اور جس طرح رسول اللہ ﷺ کی محبت و اطاعت اللہ تعالیٰ کی محبت واطاعت کا ذریعہ ہے۔ اسی طرح اصحاب رسول ﷺ کی محبت اور پیروی بھی رسول اللہ ﷺ کی محبت اور اطاعت کا دینی ذریعہ ہے۔ اصحاب کی محبت،

خدا اور رسول ﷺ کی محبت کا نشان ہے اور ان کی عداوت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی عداوت کی علامت ہے۔ العیاذ باللہ.

ایک شبہ کا ازالہ

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اختلافات اور مشاجرات بھی واقع ہوئے ہیں تو اس صورت میں تمام اصحاب رضی اللہ عنہم کی پیروی کیونکر کی جاسکتی ہے؟

الجواب

① قرآن وحدیث کی نصوص میں جو اصحاب رسول ﷺ کی پیروی کا حکم مذکور ہے وہ عقائد واصول دینیہ میں ہے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اصول وعقائد میں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہرگز کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہر صحابی نے مابعد کی امت کو ایک ہی اصول وعقائد اسلامیہ کی تعلیم دی ہے۔ چنانچہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ علیہ اس شبہ کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

متابعت جمیع اصحاب در اصول دین لازم است و ہرگز در اصول اختلافے ندارند اگر اختلاف است در فروع است۔

ترجمہ: اصول دین میں تمام اصحاب کی اتباع لازم ہے اور ہرگز وہ اصول دین میں اختلاف نہیں رکھتے۔ ان کا اختلاف فروع میں ہے۔

نیز فرماتے ہیں:

مبلغان شریعت جمیع اصحاب اند کما مر لان الصحابة کلهم عدول. از ہر یکے چیزے از شریعت بما رسیدہ است۔

ترجمہ: شریعت کے پہنچانے والے (دوسرے لوگوں تک) تمام اصحاب ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اور تمام صحابہ عادل ہیں۔ ان میں سے ہر ایک سے ہمارے پاس شریعت کا کوئی نہ کوئی حصہ پہنچا ہے۔

اور فرماتے ہیں:

واختلافے کہ درمیان اصحاب پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات واقع شدہ نہ از ہوائے نفسانی بود چہ نفوس شریفہ ایشاں تزکیہ یافتہ بودند واز امارگی باطمینان رسیدہ۔ ہوائے ایشاں تابع شریعت شدہ بود بلکہ آں اختلاف مبنی بر اجتہاد بود و اعلائے حق الخ۔

ترجمہ: اور اصحاب رسول ﷺ کے درمیان جو اختلاف واقع ہوا ہے وہ نفسانی خواہش کی وجہ سے نہیں تھا کیونکہ ان کے شریف نفس پاک ہو چکے تھے۔ وہ امارگی سے خلاصی پا کر مطمئن بن چکے تھے۔ ان کی خواہشات دین کے تابع ہوگئی تھیں بلکہ ان کا اختلاف اجتہاد پر مبنی تھا اور ان کی نیت اعلائے کلمہ حق کی تھی۔ الخ (مکتوبات امام ربانی جلد اول مکتوب نمبر ۸۰)۔

② اجتہادی اور فروعی مسائل میں خطا وصواب (صحیح وغلط) کا اختلاف ہوتا ہے نہ کہ ایمان وکفر اور حق وباطل کا۔ اگر ایک صحابی کے قول وعمل کو راجح قرار دے کر اس کو اختیار کیا جائے اور دوسرے پر عمل نہ کیا جائے تو اس سے صحابہ کرام کی مخالفت نہیں لازم آتی۔ لیکن ترجیح دینا بھی ہر ایک کا منصب نہیں ہے۔ یہ کام بھی مجتہدین ومحققین امت کا ہے۔ بہر حال اصولی طور پر تمام صحابہ کرام معیار حق ہیں۔ ان کو جنت اور رضائے خداوندی کی سندِ وحی مل چکی ہے۔ اس لیے کسی صحابی کی بھی تنقیص وتوہین جائز نہیں ہے۔

رضوان الله عليهم اجمعين.

اصحاب رسول ﷺ کی یہی وہ جنتی جماعت ہے جو قرآن وحدیث کی روشنی میں واجب الاحترام ہے اور حضور خاتم النبیین ﷺ اور مابعد کی امت میں ایک مؤثر اور برحق شرعی واسطہ ہے۔ اس لیے اسلامِ حقیقی کی صحیح نشاندہی کے لیے اہل السنّت والجماعت کے عنوان سے نسبت رسول اور نسبت جماعت رسول ﷺ کا اظہار واعلان کیا جاتا ہے۔ اور اہل السنّت والجماعت کا یہ عنوان دور صحابہ میں بھی ثابت ہے۔ چنانچہ:

اہل السنّت والجماعت جنتی ہیں

① قرآن مجید میں قیامت کے بارے میں ہے۔

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ

(پارہ۴۔سورۃ آل عمران، رکوع ۱۱، آیت ۱۰۶)

ترجمہ: اس روز کہ بعض چہرے سفید (نورانی) ہوجائیں گے اور بعض چہرے سیاہ ہونگے۔

اس آیت کے تحت حافظ علامہ ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنے یوم القیمة تبیض وجوه اهل السنة والجماعة وتسود وجوه اهل البدعة والفرقة قاله ابن عباس.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اہل السنّت والجماعت کے چہرے سفید اور روشن ہونگے اور اہل بدعت اور اہل فرقہ کے چہرے کالے سیاہ ہونگے۔ (تفسیر ابن کثیر)

② حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب محدث پانی پتی" اپنی تفسیر میں اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

عن ابن عباس انه قرأ هذه الأية وقال تبيض وجوه اهل السنة وتسود وجوه اهل البدعة. (تفسیر مظہری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا کہ (قیامت کے دن) اہل سنت کے چہرے روشن ہونگے اور اہل بدعت کے چہرے سیاہ ہونگے۔

③ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے معرکہ کربلا میں اپنے مخالفین کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

ان رسول الله ﷺ قَالَ لِیْ وَاَخِیْ اَنْتُمَا سَیِّدَا شَبَابِ اهل الجنة وَقُرَّةُ

عَیْنِ اَھْلَ السُّنۃ (تاریخ کامل ابن اثیر جلد چہارم ۶۲ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ: رسول اللہ نے میرے اور میرے بھائی (امام حسن رضی اللہ عنہ) کے بارے میں فرمایا تھا کہ تم دونوں جنت کے جوانوں کے سردار ہو اور اہل سنت کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہو۔

گزشتہ اوراق میں آیات واحادیث کی نصوص کے تحت ثابت ہوگیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دین چونکہ سنت رسول ﷺ اور جماعت رسول ﷺ کے واسطہ سے مابعد کی امت کو پہنچا ہے اس لیے دین حق اور راہِ جنت کے راستہ کی تعیین وتحدید کے لیے اہل السنّت والجماعت کا عنوان ضروری ہے۔ اور مندرجہ بعض تفاسیر وتاریخی روایات سے بھی ثابت ہوگیا کہ قرنِ صحابہ میں اہل السنّت والجماعت اور اہل سنت کا مذہبی عنوان استعمال کیا جاتا تھا۔ اس لیے یہ الہامی اور جنتی عنوان فرقہ بندی کو بڑھانے کے لیے نہیں بلکہ مذموم فرقہ پرستی کو ختم کرنے اور راہ جنت اور صراط مستقیم پر چلانے کے لیے ہے۔

گبن کا اعتراف

یورپ کا ایک مشہور مورخ مسٹر گبن اپنی تاریخ میں جماعت رسول ﷺ کی تعریف میں لکھتا ہے کہ:

عیسائی اس بات کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمد (ﷺ) کے مسائل نے اس درجہ نشہ دینی اس کے پیروؤں میں پیدا کیا جس کو عیسیٰ علیہ السلام کے ابتدائی پیروؤں میں تلاش کرنا بے فائدہ ہے۔ اور اس کا مذہب اس تیزی سے پھیلا جس کی نظیر دین عیسوی میں نہیں۔ چنانچہ نصف صدی سے کم میں اسلام بہت سی عالی شان اور سرسبز سلطنتوں پر غالب آگیا۔ جب عیسیٰ (علیہ السلام) کو سولی پر لے گئے تو اس کے پیرو بھاگ گئے اور اپنے مقتدا کو موت کے پنجہ میں چھوڑ کر چل دیئے۔ اگر بالفرض اس کی حفاظت کرنے کی ان کو ممانعت تھی تو موجود رہتے اور صبر سے اس کے اور اپنے ایذا رسانوں کو دھمکاتے برعکس اس کے محمد ﷺ کے پیرو

اپنے پیغمبر کے گرد و پیش رہے اور اس کے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرے میں ڈال کر کل دشمنوں پر اس کو غالب کر دیا۔

ولیم میور کا اقرار

مشہور مستشرق سر ولیم میور اپنی کتاب لائف آف محمد میں لکھتا ہے:

ہجرت سے تیرہ برس پہلے مکہ ایک ذلیل حالت میں بے جان پڑا تھا مگر ان تیرہ برسوں میں کیا ہی اثر عظیم پیدا ہوا کہ سینکڑوں آدمیوں کی جماعت نے بت پرستی چھوڑ کر خدائے واحد کی پرستش اختیار کی اور اپنے اعتقاد کے موافق وحی الٰہی کی ہدایات کے مطیع و منقاد ہو گئے۔ اسی قادر مطلق سے بکثرت و شدت دعا مانگتے۔ اسی کی رحمت پر مغفرت کی امید رکھتے اور حسنات اور خیرات اور پاکدامنی اور انصاف کرنے میں بڑی کوشش کرتے تھے۔ اب انہیں شب و روز اسی قادر مطلق کی قدرت کا خیال تھا اور یہ کہ وہی رزاق ہماری ادنیٰ حوائج کا بھی خبر گیر ہے ہر ایک قدرتی اور طبعی عطیہ ہیں۔ ہر ایک امر متعلقہ زندگانی میں اور اپنی خلوت و جلوت کے ہر ایک حادثہ اور تغیر میں اسی کے ید قدرت کو دیکھتے تھے اور اس سے بڑھ کر اس نئی روحانی حالت کو جس میں خوشحال اور حمد کناں رہتے تھے خدا کے فضل خاص و رحمت یا اختصاص کی علامت سمجھتے تھے اور اپنے کور باطن اہل شہر کے کفر کو خدا کے تقدیر کیے ہوئے خذلان کی نشانی جانتے تھے۔ محمد (ﷺ) کو جو ان کی ساری امیدوں کے ماخذ تھے اپنا حیات تازہ بخشنے والا سمجھتے تھے۔ اور ان کی ایسی کامل طور پر اطاعت کرتے تھے جو ان کے رتبہ عالی کی لائق تھی۔ اس تھوڑے ہی زمانے میں مکہ اس عجیب تاثیر سے دو حصوں میں منقسم ہو گیا تھا جو بلا لحاظ قبیلہ و قوم ایک دوسرے کے در پے مخالفت و ہلاکت تھے۔ مسلمانوں نے مصیبتوں کو تحمل و شکیبائی سے برداشت کیا اور گویا

ایسا کرنا ان کی ایک مصلحت تھی مگر پھر بھی ایسی عالی ہمتی کے ساتھ بردباری کرنے کی وجہ سے وہ تعریف کے مستحق ہیں۔

خلفائے راشدین

حضور خاتم النبیین ﷺ کی بعثت کا مقصد غلبہ دین تھا۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا:

هُوَ الَّذِیٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا. (پارہ ۲۶۔ سورۃ الفتح، رکوع ۴، آیت ۲۸)

ترجمہ: اس اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے تاکہ وہ (اللہ) اس سچے دین کو باقی تمام ادیان (باطلہ) پر غالب کردے اور اللہ کافی ہے (اس کی) گواہی دینے والا۔

دین حق کے غلبہ سے مراد ہر طرح کا غلبہ ہے یعنی دلیل سے بھی اسلام سارے باطل دینوں پر غالب ہے۔ اور اصول دین میں کوئی دوسرا دین اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا اور خصوصاً قرآن مجید جو اسلام کی قطعی بنیاد ہے اور جو قیامت تک محفوظ رہے گا۔ اس کے اس چیلنج کا اعدائے اسلام نہ آج تک جواب دے سکے ہیں اور نہ قیامت تک ان شاء اللہ جواب دے سکیں گے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَ كُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ. (پارہ اول۔ سورۃ البقرۃ، رکوع ۳، آیت ۲۴)

ترجمہ: اگر تم اس کتاب (قرآن) کی نسبت شک میں ہو جو ہم نے اپنے ایک خاص بندے (یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ) پر نازل کی ہے تو پھر تم اس کی مثل کوئی چھوٹی سی سورت ہی بنا کر لے آؤ اور تم اللہ کے سوا اپنے تمام مددگاروں کو بلالو اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر تم ایسا نہ کرو اور ہرگز تم ایسا نہیں کرسکو

گے تو پھر تم اس آگ سے بچو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور وہ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

اور غلبہ دین کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ اسلام قوت وشوکت کے اعتبار سے بھی تمام اہل ادیان پر غالب ہوگا اور اس عظیم پیشگوئی کے وقوع میں بھی کوئی اہل عقل وانصاف اختلاف نہیں کرسکتا کہ اسلام نے اپنے ظہور کے بعد بڑی بڑی ابلیسی طاقتوں کو زیروزبر کردیا۔ خود حضور خاتم النبیین ﷺ کی حیات طیبہ میں ۸ھ میں مرکز اسلام یعنی مکہ مکرمہ فتح ہوگیا۔ خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بتوں کی خدائی ختم ہوگئی اور جزیرۃ العرب میں اللہ کا قانون نافذ ہوگیا۔ عرب کے بت پرست اور مدینہ کے یہود نے اپنی پوری طاقت سے اسلام کا راستہ روکنے کی کوشش کی اور تمام مادی وسائل انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے میں صرف کردیئے لیکن اصحاب رسول ﷺ نے پرچم رسالت کے سایہ میں اپنی مجاہدانہ سرفروشیوں سے نصرت خداوندی کے تحت کفار کی جنگی قوتوں کو پاش پاش کرکے کلمہ اسلام **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کا ڈنکا بجادیا۔ یہ ہے رسول اللہ کے مقدس صحابہ کی وہ جماعت کامل جس کو حق تعالیٰ نے غلبہ دین کا عظیم مقصد حاصل کرنے کے لیے اپنے رسول اعظم ﷺ کے دامن پاک سے وابستہ کردیا۔ اور اگر رسول اللہ کو اور قرآن مجید کو اور دین اسلام کو تو اپنی اپنی شانِ اعلیٰ کے مطابق کامل تسلیم کیا جائے لیکن جماعت رسول یعنی صحابہ کرام کو باکمال نہ مانا جائے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ قادر وحکیم خدا نے **العیاذ باللہ** قرآنِ مقدس، دین مکمل اور رسول اعظم ﷺ کو بے مقصد بھیجا تھا اور ان تین عظیم دینی نعمتوں سے مخلوق خدا کو کوئی نفع دینی حاصل نہیں ہوا۔ لیکن کیا کوئی مومن اس ناکام نتیجہ کو تسلیم کرسکتا ہے جبکہ قرآن حکیم میں یہ اعلان بھی فرمایا گیا ہے اور آپ حضور ﷺ کو اسی مقصد عظیم کے لیے مبعوث فرمایا گیا ہے۔ **لیظھرہ علی الدین کلہ** (تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے دین حق کو تمام دوسرے دینوں پر غالب کردے)۔

حقیقت یہ ہے کہ اصحاب رسول ﷺ کی جماعت مقدسہ رسول اکرم ﷺ کے دلائل

نبوت میں سے ایک زبردست دلیل ہے اور ہر ہر صحابی معجزات محمدیہ میں سے ایک ایک معجزہ کی شان رکھتا ہے کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ صحابی رسول ﷺ کی شان مقبولیت ومحبوبیت، نور خلوص وتقویٰ اور مومنانہ ہمت واستقامت اور کسی فرد بشر میں نہیں پائی جاتی۔

رضوان الله عليهم اجمعين.

خلافت راشدہ

حضور رحمت للعالمین ﷺ پر نبوت کا سلسلہ ختم کرنے کے بعد چونکہ نئے دین، نئی شریعت اور نئی کتاب کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی کیونکہ دین وشریعت اور کتاب اللہ (قرآن مجید) کو کامل ومکمل حیثیت سے قیامت تک کے لیے محفوظ کردیا گیا تھا۔ لہٰذا اب اس امر کی ضرورت تھی کہ آنحضرت ﷺ سے جو دین کامل، شریعت کاملہ اور نظام حق دور رسالت کے مومنین کاملین (صحابہ کرام) کو ملا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے دین کی جو دینی حکومت حضور ﷺ نے قائم فرمائی ہے اور جزیرۃ العرب میں جس طرح شرعی سزاؤں کا نفاذ ہوا ہے اور انسانوں کو صدیوں کے بعد جس اعلیٰ عدل وانصاف کی عظیم حکومت الٰہیہ نصیب ہوئی ہے۔ جس کے ذریعہ لوگوں کے انفرادی اور اجتماعی حقوق محفوظ ہوگئے ہیں اور بندوں کا تعلق اپنے رب سے مضبوط قائم ہوگیا ہے۔ بتوں کے پجاری اور شرک وضلالت کی تاریکیوں میں بھٹکتی ہوئی قوم کو کتاب وسنت کی جو نورانی فضا نصیب ہوئی ہے۔ انوار نبوت سے انسانی قلوب وارواح کو جو نور ایمانی نصیب ہوا ہے یہ عظیم دینی وایمانی نعمتیں نہ صرف یہ کہ محفوظ رہیں بلکہ اللہ کے ان بندوں کو بھی ان نعمتوں سے سرفراز کیا جائے۔ جنہیں بلاواسطہ فیض نبوی حاصل کرنے کا موقع نہیں ملا اور جو دور دراز ملکوں کے باشندہ ہیں اور اسی طرح کفر وشرک کی ظلمات میں ڈوبے ہوئے ہیں (جس طرح کہ اہل مکہ اور اہل عرب تھے)۔ اس لیے حق تعالیٰ نے حضور خاتم النبیین ﷺ کے بعد اپنی قدرت و

حکمت کے تحت (بجائے نبوت ورسالت کے) خلافت نبوت ورسالت کا ایک نظام حق قائم فرمادیا جو دین اسلام کی تبلیغ واشاعت اور استحکام وغلبہ کا ایک موثر ترین ذریعہ ثابت ہوا ہے۔ فعال لما یرید خدا نے بجائے اس کے کہ انبیاء کی طرح خلفائے رسول کی نامزدگی کا کتاب اللہ میں اعلان کیا جائے۔ قرآن مجید میں ایک عظیم پیشگوئی فرمادی اور خلفائے راشدین کے ناموں کی بجائے ان کی صفات وعلاماتِ خلافت کا اعلان فرمادیا۔ چنانچہ حسب ذیل دو آیتیں خلافتِ نبوت کے قائم ہونے کی واضح دلیل ہیں۔

آیت تمکین

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۙ o الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ. (الحج:۴۰)

ترجمہ: ان لوگوں کو لڑائی کی اجازت دے دی گئی ہے جن سے کفار کی طرف سے لڑائی کی جاتی ہے۔ اس وجہ سے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ ان کی نصرت ومدد کرنے پر پوری پوری قدرت رکھنے والا ہے۔

اس کے بعد انہی مومنین مہاجرین کے بارے میں اعلان فرمایا:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ o

(پارہ ۱۷۔ سورۃ الحج، رکوع ۶، آیت ۴۰، ۴۱)

ترجمہ: یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں زمین پر تمکین واقتدار دیں تو یہ لوگ نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیں۔ اور نیک کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں۔ اور سب کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

اس آیت تمکین میں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق ایک اعلان فرمایا ہے (جن کو کافروں نے گھروں سے نکال دیا تھا اور وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تحت مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہوگئے تھے) کہ اگر ہم ان کو ملک میں حکومت واقتدار دے دیں تو

وہ ضرور ان چار کاموں کی تکمیل کریں گے اور چونکہ ان مہاجرین صحابہ کرام میں سے آنحضرت ﷺ کے بعد صرف ان چار اصحاب کو ہی ملکی اقتدار عطا فرمایا ہے یعنی حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم اس لیے حسب اعلان خداوندی قرآن پر ایمان رکھنے والوں کے لیے یہ قطعی عقیدہ لازم ہے کہ ان چاروں خلفاء نے ضرور وہ کام سرانجام دیئے ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے یعنی اقامت صلوٰۃ، ایتاء زکوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور اگر کوئی شخص باوجود اس اعلانِ خداوندی کے ان خلفائے اربعہ کو برحق خلفاء نہیں تسلیم کرتا تو وہ اس آیت کا منکر ہے اور اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا مذکورہ اعلان صحیح ثابت نہیں ہوا۔ العیاذ باللہ. اور اس آیت کا یہ مطلب بھی نہیں لیا جا سکتا کہ مذکورہ تمکین و اقتدار کا وعدہ مابعد کے خلفاء کے لیے ہے کیونکہ یہ اعلان اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ کے لیے ہے جو مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں اور سوائے ان چار خلفاء کے صحابہؓ میں سے اور کسی مہاجر صحابی کو خلافت نہیں ملی۔ اسی بنا پر ان چاروں خلفاء کی خلافت کو خصوصی طور پر خلافت راشدہ کہتے ہیں جو قرآن کی موعودہ خلافت ہے۔ اور یہ خلافت ان چار یارؓ میں ہی منحصر ہے۔

① آیت استخلاف

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِكُوْنَ بِیْ شَیْـًٔا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ

(پارہ ۱۸۔ سورۃ النور، رکوع ۷، آیت ۵۵)

ترجمہ: اللہ نے وعدہ فرمایا ہے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں تم میں سے اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں کہ ضرور ان کو خلیفہ بنائے گا زمین میں جیسا اس نے ان لوگوں کو خلیفہ بنایا ہے جو ان سے پہلے ہوئے ہیں اور ضرور ان کو ان کے

لیے اس دین کی طاقت (تمکین) دے گا جو اس نے ان کے لیے پسند کرلیا ہے۔ وہ (خلفاء) میری ہی عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں بنائیں گے اور اس کے بعد جو شخص انکار (یا ناشکری) کرے گا تو وہ لوگ فاسق (نافرمان) ہونگے۔

اس آیت استخلاف میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ان ایمان وعمل صالح والے صحابہ کرام کو خلیفہ بنانے کا وعدہ فرمایا ہے۔ جو اس آیت کے نازل ہونے کے وقت موجود تھے۔ جس پر لفظ مِنکُمْ دلالت کرتا ہے۔ اور چونکہ نبی کریم رحمت للعالمین خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد مہاجرین صحابہ میں سے بالترتیب صرف حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم کو ہی خلافت اور جانشینی کا عظیم شرف نصیب ہوا ہے اس لیے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن خلفاء کے متعلق اس آیت میں وعدہ فرمایا تھا۔ وہ یہی چار ہیں ان کی خلافت قرآن کی موعودہ خلافت ہے اور اگر ان چار خلفاء کو اس آیت کا مصداق نہ قرار دیا جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ثابت نہیں ہوسکتا۔ اور آیت میں مِنکُمْ کی قید کی وجہ سے بعد کے خلفاء اس آیت کا مصداق نہیں قرار دیئے جاسکتے۔ خواہ حضرت امام حسنؓ ہوں یا حضرت امیر معاویہؓ اور خواہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہوں یا قرب قیامت میں پیدا ہونیوالے حضرت مہدی جو امت محمدیہ کے آخری ہادی اور مجدد ہونگے اور جن کی عادلانہ اسلامی حکومت کے بارے میں احادیث میں پیشگوئی موجود ہے۔ ان مابعد کے خلفاء کو بعض حضرات نے جو خلفائے راشدین میں شمار کیا ہے تو وہ لغوی معنیٰ میں ہے کہ ان کی حکومتیں بھی برحق خلافتیں ہیں اور وہ بھی رشد وہدایت والے ہیں۔ لیکن اصل خلفائے راشدین یہی خلفائے اربعہ (چار یارؓ) ہیں جو قرآن کی موعودہ خلافت کا صحیح مصداق ہیں اور ان کے بعد آنے والے خلفاء اس آیت کے موعودہ خلفاء نہیں قرار دیئے جاسکتے کیونکہ حسب آیت تمکین اس آیت استخلاف سے مراد بھی وہی خلفاء ہیں جو مہاجرین صحابہ میں سے ہونگے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ

محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

از جملہ لوازم خلافت خاصہ آنست کہ خلیفہ از مہاجرین اولیں باشد واز حاضران حدیبیہ واز حاضرانِ نزولِ سورۂ نور واز حاضران دیگر مشاہدہ عظیمہ مثل بدر وتبوک کہ در شرع تنویہ شان آں مشاہد ووعدۂ جنت برائے حاضراں آنہا مستفیض شدہ اما آنکہ از مہاجرین اولین باشد ازاں جہت مطلوب شد کہ خدا تعالیٰ درشان مہاجرین اولین می فرماید۔ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا بعد ازاں فرمود اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ بعد ازاں فرمود اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ حاصل معنی ایں آیات آنست کہ درباب مہاجرین اولین کہ اذن قتال برائے ایشاں دادہ شد تعلیق می فرماید کہ اگر ایشاں را تمکین فی الارض دہیم یعنی رئیس گردانیم اقامت صلوٰۃ کنند وایتاءِ زکوٰۃ نمایند وامر بمعروف ونہی منکر بعمل آرند ونہی منکر متناول است اقامت جہاد را زیرا کہ اشد منکرات کفر است واشد نہی قتال ومتناول است اقامت حدود را ورفع مظالم را وامر بمعروف متناول است احیائے علوم دینیہ را۔ پس بمقتضائے ایں تعلیق لازم شد کہ ہر شخصے از مہاجرین اولین کہ مُمَكَّنٌ فی الارض شود از دست او مقاصد خلافت سرانجام یا بد ودر وعدہ الٰہی خلف نیست پس خلیفہ اگر از مہاجرین اولین باشد امن حاصل شود بروی واطمینان قلب متحقق گردد از خلافت وی۔ الخ (ازالۃ الخفاء جلد اول ۴۴)

ترجمہ: منجملہ لوازم خلافت خاصہ کے ایک یہ ہے کہ خلیفہ مہاجرین اولین میں سے ہو اور (نیز) ان لوگوں میں سے ہو جو حدیبیہ میں (شریک) اور سورۂ نور کے نزول کے وقت موجود تھے اور (نیز) ان لوگوں میں سے ہو جو بدر وتبوک اور دوسرے مشاہد عظیمہ میں موجود تھے جن کی عظمت شان اور جن کے حاضرین کے لیے وعدہ جنت شرع میں حدیث مستفیض سے ثابت ہے۔ خلیفہ کا مہاجرین اولین میں سے

ہونا اس لیے ضروری ہے کہ مہاجرین اولین کی شان میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے: اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا پھر اس کے بعد فرمایا: اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ پھر اس کے بعد فرمایا: اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ۔ ان آیتوں کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جن مہاجرین اولین کو جنگ کی اجازت دی گئی تھی ان کے حق میں (اللہ تعالیٰ) بطور تعلیق (یعنی شرط) کے فرماتا ہے کہ اگر ان کو ہم زمین میں تمکین دیں یعنی رئیس (صاحب حکومت) بنائیں تو وہ لوگ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر عمل میں لائیں گے۔ نہی عن المنکر شامل ہے جہاد کرنے کو کیونکہ (نہی عن المنکر گناہوں سے روکنے کو کہتے ہیں اور) سب گناہوں سے زیادہ سخت کفر ہے اور گناہوں سے روکنے کا سب سے زیادہ سخت طریقہ جہاد ہے اور (نیز نہی عن المنکر) شامل ہے۔ اقامتِ حدود اور رفع مظالم کو اور امر بالمعروف شامل ہے احیائے علوم دینیہ کو۔ پس بمقتضائے اس تعلیق (یعنی شرط) کے ضروری ہوا کہ مہاجرین اولین میں سے کوئی شخص زمین پر حاکم ہو تو اس کے ہاتھ سے خلافت کے مقاصد سرانجام پائیں اور (چونکہ سب جانتے ہیں کہ) خدا کے وعدہ میں خلف نہیں ہے۔ لہٰذا خلیفہ اگر مہاجرین اولین میں سے ہوگا تو اس پر (سب کو) اتفاق ہو جائے گا اور اس کی خلافت سے (سب کو) اطمینان قلب رہے گا۔ الخ

آیت تمکین اور آیت استخلاف دونوں کی روشنی میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ کی مندرجہ تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ ان آیات میں مہاجرین صحابہ کو خلافت عطا کرنے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے اور چونکہ مہاجرین صحابہ میں سے خلافت وحکومت صرف خلفائے اربعہ یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ملی ہے۔ اس لیے ان آیات کے موعودہ خلفاء

سے مراد صرف یہی خلفائے اربعہؓ ہیں نہ کہ بعد کے خلفاء حضرت امام حسنؓ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کیونکہ یہ حضرات باوجود خلفائے برحق ہونے کے مہاجرین اولین میں سے نہیں ہیں۔ اس لیے قرآن حکیم کی مخصوص خلافت موعودہ (یعنی خلافتِ خاصہ راشدہ) کا مصداق نہیں قرار دیئے جائیں گے۔

حدیث سفینہؓ

اور حدیث میں جو تیس سالہ خلافت کی پیشگوئی مذکور ہے اس سے مراد بھی یہی خلافت راشدہ خاصہ ہے جس کا وعدہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ تحریر فرماتے ہیں:

اما ما یدل علی خلافة الاربعة من ضرب المدة الواقعة علیهم فقد اخرج الترمذی من حدیث سعید بن جمهان قال حدثنی سفینةؓ قال قال رسول الله ﷺ الخلافة فی امتی ثلثون سنة ثم ملک بعد ذلک ثم قال لی سفینةؓ امسک خلافة ابی بکرؓ ثم قال و خلافة عمرؓ و خلافة عثمانؓ ثم قال امسک خلافة علیؓ فوجدنها ثلثین سنة.

ترجمہ: خلفائے اربعہ کی خلافت کی دلیل یعنی اس مدت کا بیان جس میں ان کی خلافت واقع ہوئی ہے۔ ترمذی نے بروایت سعید بن جمہان نقل کیا ہے وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ نے فرمایا خلافت میری امت میں تیس برس رہے گی پھر اس کے بعد بادشاہت ہوگی۔ راوی کہتے ہیں مجھ سے حضرت سفینہؓ نے کہا کہ زمانہ خلافت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لو۔ پھر کہا کہ زمانہ خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس سے ملاؤ۔ پھر کہا کہ خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس پر اضافہ کرو۔ چنانچہ ہم نے (ان سب کے زمانہ کو ملا کر) دیکھا تو تیس برس ہوئے۔ الخ

(ازالۃ الخفاء مترجم جلد اول ص ۳۴۳)

حدیث اتباعِ خلفائے راشدین

رسول امین رحمت للعالمین ﷺ نے فرمایا:

مَنْ یَعِشْ مِنْکُمْ بَعْدِیْ فَسَیَرَیٰ اِخْتِلَافاً کَثِیْرًا فَعَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ. (مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ: تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا پس تم پر میری سنت کی اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت (طریقہ) کی پیروی لازم ہوگی۔

حضرت شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلویؒ نے اشعۃ اللمعات اور علامہ علی قاری حنفیؒ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کے تحت تصریح کی ہے کہ یہاں حدیث میں خلفائے راشدین کا مصداق خلفائے اربعہ ہیں یعنی حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم

دورِ خلافتِ راشدہ کی فتوحات

آیت تمکین، آیت استخلاف اور آیت اظہار دین کی قرآنی پیشگوئیوں اور خدائی وعدوں کے مطابق خلفائے راشدین خصوصاً خلفائے ثلثہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں غلبہ دین اور عروج اسلام کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ قیصر وکسریٰ کی سلطنتیں نیست ونابود ہوگئیں۔ بڑی بڑی جاہ وجلال رکھنے والی قومیں پرچم اسلام کے سامنے جھک گئیں اور ایک پسماندہ عرب قوم نے توحید وسنت کا نور اطراف عالم میں پھیلا دیا۔

دورِ صدیقی

خلیفہ اول امام الخلفاء حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی سوا دو سالہ قلیل ترین مدت خلافت میں نہ صرف یہ کہ ملک کے داخلی فتنوں مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی وغیرہ جھوٹے

مدعیان نبوت کی دجالیت، منکرین زکوٰۃ کی بغاوت اور بعض عربی قبائل کے ارتداد کا قلع قمع کر کے دور رسالت کے مفتوحہ علاقوں کو پرچم اسلام کے تابع کیا بلکہ روم وایران کی اسلامی فتوحات کا بھی آغاز کر دیا۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر کی عراقی فوجیں ملک ایران میں اور شامی فوجیں ملک روم میں غازیانہ سطوت وکامرانی کے ساتھ آگے بڑھتی چلی گئیں۔ جس کی وجہ سے طاغوتی طاقتوں کو اپنی ذلت ومغلوبیت کا شدید خطرہ لاحق ہو گیا۔

عہدِ فاروقی

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے ساڑھے دس سالہ دورِ خلافت میں صدیوں کی رومی عیسائی سلطنت اور ایرانی مجوسی بادشاہت کو زیر وزبر کر کے کلمہ اسلام کا غلغلہ بلند کر دیا۔ حتیٰ کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے مفتوحہ علاقوں کے علاوہ بائیس لاکھ اکاون ہزار تیس (۲۲۵۱۰۳۰) مربع میل ارض کفر فتح کر کے وہاں پرچم اسلام نصب کر دیا۔ اور یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ غلبہ اسلام کی قرآنی پیشگوئیوں کا زیادہ تر مصداق عہد فاروقی کی عظیم الشان اسلامی فتوحات ہیں جنہوں نے قیصر وکسریٰ کی سطوتوں کو خاک میں ملا کر مظلوم انسانیت کو وقار وجلال عطا کیا۔ ماشاءاللہ فاروق رضی اللہ عنہ، فاروق ہے۔

سطوتِ عثمانی

خلیفہ سوم حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے بارہ سالہ دورِ خلافت میں روم و ایران کے وہ علاقے بھی فتح کر لیے گئے جو عہد فاروقی میں سرنگوں نہیں ہو سکے تھے۔ عہد عثمانی میں افریقہ بھی فتح ہوا، جو حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی خلافت کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔ علاوہ ازیں دورِ عثمانی کی خصوصیات میں سے وہ بحری فتوحات ہیں جنہوں نے سمندر میں تلاطم بپا کر دیا۔ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں ہی رسول اللہ کے ایک جلیل القدر صحابی حضرت امیر معاویہؓ نے جزیرۂ قبرص فتح کر کے شوکت اسلام کو دوبالا کر دیا تھا۔ علاوہ ازیں بری فتوحات کے سلسلہ میں کابل وقندھار بھی عہد عثمانی کے زیر سایہ آ گئے تھے۔ اگر

بالفرض حضرات خلفائے ثلثہ کی ان اسلامی فتوحات کا انکار کر دیا جائے تو پھر قرآن حکیم کی ربانی پیشگوئیوں کا کوئی صحیح مصداق نہیں قرار دیا جاسکتا۔ جس کی وجہ سے قرآن کی موعودہ خلافت کالعدم ٹھہرتی ہے۔ العیاذ باللہ۔

خلافتِ مرتضوی

خلیفہ چہارم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بوجہ مہاجرین اولین میں ہونے کے قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ کا آخری نشان ہیں۔ آپ کے تقریباً ۶/۵ سالہ دور خلافت میں گو جدید علاقہ کفر فتح نہیں ہوسکا۔ اور آپ داخلی ملکی اختلافات اور مشاجرات کے حل کرنے میں مصروف رہے ہیں لیکن آپ نے خلیفہ راشد کی حیثیت سے اپنے دور خلافت میں وہی نظام حق نافذ فرمایا جو آپ سے پہلے تین خلفائے راشدین نے نافذ فرمایا تھا۔ آپ نے اپنی حدود خلافت میں اسی دین حق کا پرچم بلند کیا جو اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ تھا۔ اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان چاروں خلفائے راشدین میں کسی قسم کا کوئی نزاع واقع نہیں ہوا۔ یہ حضرات یقیناً حسب آیت قرآنی اشدآء علے الکفار رحمآء بینھم کا اعلیٰ مصداق تھے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

② حضرت علی المرتضیٰ کے دور خلافت میں باہمی جو نزاعات ہوئے ہیں وہ بھی فروعی اور اجتہادی ہیں۔ اصحاب رسول ﷺ میں دینی اصولی اختلاف بالکل نہیں ہوا۔ اور سیاسی اجتہادی اختلافات میں جمہور اہل السنّت والجماعت کے نزدیک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مؤقف حق اور صواب تھا۔ اور فریق ثانی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خطا پر تھے لیکن یہ خطا چونکہ اجتہادی تھی اس لیے آپ پر طعن و تشنیع جائز نہیں ہے۔ حضرت معاویہ بھی حضور رحمت للعالمین ﷺ کے فیض یافتہ صحابی اور کاتب وحی ہیں۔ آپ کی نیت پر شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بھی آپ سے خلافت کی بیعت کرلی تھی اور پھر ساری عمر (یعنی امام حسن رضی اللہ عنہ دس سال اور امام حسین تقریباً بیس سال

تک) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قائم کردہ بیت المال سے لاکھوں کی تعداد میں وظیفہ وصول کرتے رہے۔ حالانکہ حسب ارشاد رسالت حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ دونوں جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔ ان کی عظمت شان اہل السنّت والجماعت کے نزدیک مسلم ہے۔ اگر وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو کتاب وسنت کا مخالف پاتے تو حضرت حسنؓ اپنی اس خلافت حقہ سے کبھی بھی دستبردار نہ ہوتے جو ان کو خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰؓ کے بعد ملی تھی۔ حضرت حسنؓ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ تاریخی صلح دراصل حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی حسب ذیل عظیم پیش گوئی پر مبنی تھی کہ:

اِنَّ اَبْنِی هٰذَا سَیِّدٌ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ یُصْلِحَ بِهٖ بَیْنَ الْفِئَتَیْنِ الْعَظِیْمَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ. (صحیح بخاری)

ترجمہ: تحقیق میرا یہ بیٹا (یعنی حضرت حسنؓ) سردار ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو باعظمت گروہوں میں صلح کرادے گا۔

اور صلح کے بعد میں جو صورت ظہور پذیر ہوئی ہے اس کی بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی دینی عظمت دوبالا ہو جاتی ہے اور کوئی باشعور اور مخلص مسلمان آپ پر کیچڑ اچھالنے کی جسارت نہیں کرسکتا۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

مولانا حالی رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار

مولانا حالی مرحوم نے جماعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم یعنی (صحابہ کرام) کی دینی رفعتوں کا حال حسب ذیل اشعار میں کیا خوب بیان کیا ہے۔

جب امت کو سب مل چکی حق کی نعمت
ادا کرچکی فرض اپنا رسالت
تو اسلام کی وارث اک قوم چھوڑی
کہ دنیا میں جس کی مثالیں ہیں تھوڑی
خدا اور نبی کے وفادار بندے

یتیموں کے رانڈوں کے غم خوار بندے
جہالت کی رسمیں مٹا دینے والے
خدا کے لیے گھر لٹا دینے والے
اگر اختلاف ان میں باہم دگر تھا
تو بالکل مدار ان کا اخلاص پر تھا

صدیق اور فاروق ولیم میور کی نظر میں

مشہور مستشرق سر ولیم میور نے حضرت ابوبکرؓ صدیق کے متعلق لکھا ہے کہ:

آپ کا عہد مختصر تھا مگر رسول اللہ کے بعد اور کوئی ایسا نہیں ہوا جس کا اسلام کو ان سے زیادہ ممنون اور مرہون احسان ہونا چاہیے۔ چونکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دل میں رسول اکرم کا اعتقاد نہایت راسخ طور پر متمکن تھا اور یہی عقیدہ خود رسول اکرم کے خلوص اور سچائی کی زبردست شہادت ہے۔ لہٰذا میں نے آپ کی حیات وصفات کے تذکرہ کے لیے کچھ جگہ زیادہ وقف کی ہے۔ اگر حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ابتدا سے اپنے کذاب ہونے کا یقین ہوتا تو وہ کبھی ایسے شخص کو عقیدت مند اور دوست نہ بنا سکتے جو نہ صرف دانا و ہوش مند تھا بلکہ سادہ مزاج اور صفائی پسند بھی تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نفسانی عظمت وشوکت کا کبھی خیال نہیں آیا۔ انہیں شاہانہ اقتدار حاصل تھا اور وہ بالکل خود مختار تھے مگر وہ اس طاقت واقتدار کو صرف اسلام کی بہتری اور کافۂ انام کے فائدہ پہنچانے کی خاطر عمل میں لائے۔ ان کی ہوش مندی اس امر کی مقتضی نہ تھی کہ خود فریب کھالیں اور وہ خود ایسے متدین تھے کہ کسی کو دھوکا نہ دے سکتے تھے۔ (کتاب لائف آف محمد)

② حضرت فاروق اعظمؓ کے متعلق لکھا ہے کہ:

۲۶/ذی الحجہ ۲۳ھ کو عمر رضی اللہ عنہ نے ساڑھے دس سال کے عہد حکومت کے بعد انتقال فرمایا۔ رسول اللہ کے بعد سلطنت اسلام میں سب سے بڑے شخص عمر رضی اللہ عنہ تھے

کیونکہ یہ انہیں کی دانائی واستقلال کا ثمرہ تھا کہ ان دس سال کے عرصہ میں شام مصر اور فارس کے علاقے جن میں اس وقت سے اسلام کا قبضہ رہا ہے تسخیر ہوگئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مشرک اقوام کو مغلوب تو کرلیا تھا لیکن ان کے عہد میں افواج اسلام صرف شام کی سرحد تک ہی پہنچی تھیں۔ عمر رضی اللہ عنہ جب مسند خلافت پر بیٹھے تو اس وقت ان کے قبضہ میں صرف عرب تھا مگر جب آپ نے انتقال فرمایا تو آپ ایک بڑی سلطنت کے خلیفہ تھے۔ جو فارس، مصر، شام جیسی سلطنتوں کے بعض نہایت زرخیز اور دلکش صوبوں پر مشتمل تھی مگر باوجود ایسی عظیم الشان سلطنت کے فرمانروا ہونے کے آپ کو کبھی اپنی فراست اور قوت فیصلہ کی متانت کی میزان میں پاسنگ رکھنے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ آپ نے سردار عرب کے سادہ اور معمولی لقب سے کسی زیادہ عظیم انسانی لقب سے اپنے آپ کو ملقب نہیں کیا۔ دور دراز صوبوں سے لوگ آتے اور مسجد نبوی کے صحن کے چاروں طرف نظر دوڑا کر استفسار کرتے کہ خلیفہ کہاں ہیں حالانکہ شہنشاہ سادہ لباس میں ان کے سامنے بیٹھے ہوتے تھے۔ (ایضاً لائف آف محمد)

مورخ گبن اور خلفائے اربعہ

مشہور عیسائی مورخ مسٹر گبن اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

پہلے چاروں خلیفوں کے اطوار یکساں صاف اور ضرب المثل تھے۔ ان کی سرگرمی اور دلدہی اخلاص کے ساتھ تھی اور ثروت واختیار پاکر بھی انہوں نے اپنی عمریں ادائے فرائض اخلاقی و مذہبی میں صرف کیں۔ پس یہی لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ابتدائی جلسہ کے شریک تھے جو پیشتر اس کے کہ اس نے اقتدار حاصل کیا یعنی تلوار پکڑی اس کے جانبدار ہوگئے یعنی ایسے وقت میں کہ وہ ہدف آزار ہوا اور جان بچا کر اپنے ملک سے چلا گیا۔ ان کے اول ہی اول تبدیل مذہب کرنے سے ان کی

سچائی ثابت ہوتی ہے۔ اور دنیا کی سلطنتوں کے فتح کرنے سے ان کی لیاقت کی قوت معلوم ہوتی ہے۔ اس صورت میں کوئی یقین کرسکتا ہے کہ ایسے شخصوں نے ایذائیں سہیں اور اپنے ملک سے جلاوطنی گوارا کی اور اس سرگرمی سے اس کے پابند ہوئے اور یہ سب امور ایک ایسے شخص کی خاطر ہوئے ہوں جس میں ہر طرح کی برائیاں ہوں اور اس سلسلہ فریب اور سخت عیاری کے لیے ہوں جو ان کی تربیت کے خلاف ہو اور ان کی ابتدائی زندگی کے تعصبات کے بھی مخالف ہو۔ اس پر یقین نہیں ہوسکتا۔

احادیث میں خلفائے اربعہ کی عظمت

قرآن مجید کی آیت تمکین و استخلاف کی بنا پر جس طرح خلفائے اربعہ کی موعودہ خلافت اور ان کی مخصوص شرعی عظمتوں کا ثبوت ملتا ہے اسی طرح احادیث نبویہ سے بھی ان کی امتیازی خصوصیات ثابت ہوتی ہیں مثلاً:

① رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہَ اَخْتَارَ اَصْحَابِیْ عَلٰی جَمِیْعِ الْعٰلَمِیْنَ سِوَی النَّبِیِّیْنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَاخْتَارَلِیْ مِنْھُمْ اَرْبَعَۃً اَبَابِکْرٍ وَ عُمَرَ وَعثمانَ وَعَلِیًا فَجَعَلَھُمْ خَیْرَ اَصْحَابِیْ وَفِیْ اَصْحَابِیْ کُلِّھِمْ خَیْرًا۔

(الشفاء تعریف حقوق المصطفیٰ للقاضی عیاض محدث۔ (جلد دوم ص ۱۱۹)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے سوائے انبیاء اور مرسلین کے میرے اصحاب کو تمام جہانوں میں سے پسند کرلیا ہے۔ اور پھر ان میں سے میرے لیے ان چار کو چن لیا ہے۔ ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم ان چار کو میرے اصحاب میں سے بہتر بنایا ہے۔ اور میرے تمام اصحاب میں خیر و بھلائی پائی جاتی ہے۔

② کتاب حدیث مستدرک حاکم میں حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جب نبی ﷺ نے مسجد (اقدس) کی بنیاد ڈالی تو (پہلے) آپ نے ایک پتھر رکھا۔

پھر آپ نے فرمایا: میرے پتھر کے پہلو میں ایک پتھر ابوبکر رضی اللہ عنہ رکھیں پھر آپ نے فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پتھر کے پہلو میں ایک پتھر عمر رضی اللہ عنہ رکھیں، پھر آپ نے فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ کے پتھر کے پہلو میں ایک پتھر عثمان رضی اللہ عنہ رکھیں۔ پھر اس کے بعد فرمایا کہ: **هولآء الخلفآء بعدی** (یہی لوگ میرے بعد خلیفہ ہیں)۔

(ازالۃ الخفاء مترجم اردو جلد اول ص ۱۱۱)

③ **عن علی رضی الله عنه ماخرج رسول الله ﷺ من الدنیا حَتّٰی عَهِد اِلَیَّ اَنَّ اَبَابَکْرٍؓ یَلِی الْاَمْر بعده ثم عمرؓ ثم عثمانؓ ثم اِلَیَّ فلا یجتمع عَلَیَّ.**

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ دنیا سے تشریف نہیں لے گئے یہاں تک کہ آپ نے مجھے خبر دیدی کہ آپ کے بعد ابوبکرؓ اسلام کے والی ہوں گے پھر عمر رضی اللہ عنہ پھر عثمان رضی اللہ عنہ پھر میری طرف رجوع کیا جائے گا مگر میرے اوپر لوگوں کا اتفاق نہ ہوگا۔ (ایضاً) ازالۃ الخفاء ص ۱۱۸)

④ پھر ان چار خلفاء میں سے رسول اکرم ﷺ نے خصوصیت کے ساتھ پہلے دو خلیفوں کی اتباع کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

عن حذیفةؓ قال قال رسول الله ﷺ لا ادری مابقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی ابابکرؓ و عمرؓ. (ترمذی شریف)

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ میرا رہنا تم میں کس قدر ہے۔ لہٰذا میرے بعد تم ان کی اقتداء کرنا جو میرے بعد ہوں گے یعنی ابوبکرؓ اور عمرؓ۔

⑤ اور پھر ان دونوں میں سے حضور خاتم النبیین ﷺ نے امام الخلفاء حضرت ابوبکر صدیق کی امتیازی شان بیان فرمائی ہے۔

(۱) عن ابن عمرؓ عن رسول الله ﷺ قال لابی بکر انت صاحبی

فی الغار وصاحبی علے الحوض (مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے حضرت ابوبکر سے فرمایا: تو میرا غار کا بھی ساتھی ہے اور (آخرت میں) حوض پر بھی ساتھی ہوگا۔

(ب) حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار کے بھی ساتھی ہیں اور قیامت میں یہ دونوں یار حضور رحمت للعٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روضہ مقدسہ سے ظاہر ہوں گے۔ چنانچہ فرمایا:

انا اول من تَنْشَقُّ عنه الارض یوم القیٰمة ثم ابوبکر ثم عمر الخ (مشکوٰۃ شریف وجمیع الفوائد جلد ثانی)۔

ترجمہ: سب سے پہلے میری زمین (قبر) قیامت کے دن کھلے گی پھر ابوبکرؓ اور پھر عمر رضی اللہ عنہ کی۔

(ج) آسمان سے نازل ہونے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق رسول اللہ نے فرمایا:

فیمکث خمساً واربعین سنة ثم یموت فیدفن معی فی قبری فاقوم انا وعیسےٰ بن مریم فی قبر واحد بین ابی بکر و عمر .

(مشکوٰۃ شریف، کتاب الفتن، باب نزول عیسیٰ علیہ السلام)

ترجمہ: پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام (آسمان سے نازل ہونے کے بعد) پینتالیس سال (زمین پر) ٹھہریں گے۔ پھر آپ پر موت واقع ہوگی۔ پھر آپ میرے ساتھ میری قبر میں دفن ہوں گے پس (قیامت کے دن) میں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام، ابوبکر اور عمرؓ کے درمیان ایک ہی قبر یعنی مقبرہ میں کھڑے ہوں گے۔

یارِ غار[1] کا قرآنی لقب

احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ نے ان تمام اہل ایمان کو اصحابی (میرے اصحاب) کے لقب سے مشرف فرمایا ہے جو بلاواسطہ آنحضرت ﷺ کے دیدار اور صحبت سے فیض یاب ہوئے ہیں لیکن یہ خصوصی شرف تمام اصحاب میں سے صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ کو صاحب رسول ہونے کا عظیم لقب عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا. (پارہ ۱۰۔ سورۃ التوبۃ، رکوع ۶، آیت ۴۰)

ترجمہ: دو میں سے دوسرے تھے جبکہ وہ دونوں غار میں تھے اس وقت آپ ﷺ اپنے یار و رفیق سے فرما رہے تھے کہ تو (میرا) غم نہ کر۔ یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

رفیق غار ابوبکر صدیق ہیں۔ ہجرت میں فقط یہی تھے حضرت ﷺ کے ساتھ اور اصحاب بعض پہلے نکل گئے تھے بعض پیچھے نکل آئے۔ (موضح القرآن)

اللہ تعالیٰ نے اپنی قطعی وحی میں حضرت ابوبکر صدیق کو صاحب رسول فرما کر آپ کے یار جانثار اور صاحب صدق و صفا ہونے کی خصوصی سند عطا کر دی ہے۔ کیونکہ کفار قریش کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے جب رسول خدا نے باذن خداوندی رات کی تاریکی میں ہجرت فرمائی اور اس سفر ہجرت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا رفیق سفر بنایا اور پھر رحمت للعٰلمین ﷺ کے پاؤں مبارک کے زخمی ہونے پر اس عاشق جانثار نے محبوب

---

[1] فیروز اللغات میں ہے: یار غار، غار کا دوست، پکا دوست۔

خدا کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر پہاڑی کا دشوار گزار راستہ طے کر کے غار ثور تک پہنچایا۔ پھر نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر دونوں اس غار میں تین دن رات قیام پذیر رہے تو ان صحیح حالات و واقعات اور نص قرآنی اذهما في الغار کے ثبوت کے بعد کوئی اہل ایمان بلکہ کوئی اہل عقل و انصاف شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ خصوصی رفاقت و معیت محض دنیوی اعتبار سے تھی جیسا کہ بسا اوقات دو اجنبی آدمی بھی ہمسفر ہو جایا کرتے ہیں بلکہ لصاحبہ کے قرآنی الفاظ اس امر کی قطعی دلیل ہیں کہ رب العٰلمین کے نزدیک رحمت للعالمین ﷺ کا یہ رفیق سفر تمام اصحاب رسول ﷺ سے صاحب اور یار رسول ہونے میں افضل و اعلیٰ شان رکھتے ہیں۔ اور جب کفار قریش کا خطرہ لاحق ہونے پر اس یار جانثار کو محبوب اعظم ﷺ کے متعلق اپنے قلب صدق وصفا میں ایک گونہ غم لاحق ہوا تو خود رحمت للعالمین ﷺ نے آپ کو لَا تَحْزَنْ فرما کر تسلی دی اور اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا کے الفاظ سے معیت و رحمت خداوندی کی عظیم بشارت سنا دی۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے صاحب رسول اور یار غار ہونے کی حق تعالیٰ نے اتنی مقبولیت عامہ عطا فرمائی کہ بطور محاورہ یار غار کا اطلاق ایسے رفیق و دوست پر کیا جاتا ہے جس کی دوستی نہایت خلوص و محبت پر مبنی ہوتی ہے۔ بہر حال یار غار اور پھر یار مزار ہونا ان خصوصیات صدیقی میں سے ہے جو قیامت تک اہل ایمان کے لیے مرکز عقیدت بنی رہیں گی۔ شاعر ملت اقبال مرحوم نے حضرت صدیقؓ کی خصوصیات کا حسب ذیل اشعار میں کیا خوب تذکرہ کیا ہے۔

آں امن الناس بر مولائے ما
آں کلیم اول سینائے ما
ہمت او کشت ملت را چوں ابر
ثانی اسلام و غار و بدر و قبر

(رموز بیخودی)

حق چار یارؓ

چونکہ قرآن کی موعودہ خلافت کا مصداق بوجہ مہاجرین اولین میں ہونے کے یہی خلفائے اربعہ ہیں یعنی حضرت ابوبکرؓ صدیق، حضرت عمرؓ فاروق، حضرت عثمانؓ ذوالنورین اور حضرت علیؓ المرتضیٰ۔ اس لیے ان کو خصوصیت کے طور پر چار یار کہا جاتا ہے اور یہ اصطلاح امت میں صدیوں سے جاری ہے۔ دینی مدارس میں جو صدیوں سے فارسی نصاب پڑھایا جاتا ہے ان میں بھی چہ ریار کی اصطلاح مذکور ہے۔ اور قبل ازیں عموماً سنی مساجد میں چار یار کی نشاندہی کے لیے حسب ذیل شعر لکھا جاتا تھا۔

چراغ و مسجد و محراب و منبر
ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ

صدیوں پہلے سلاطین اسلام اپنے شاہی سکوں میں چار یار کے نام کندہ کرا دیتے تھے۔ چنانچہ صفدر حیات صاحب صفدر نے اپنی کتاب ''عہد مغلیہ مع دستاویزات'' میں باب شیر شاہ سوری کا انتظام سلطنت کے تحت لکھا ہے کہ:

> سکوں پر دو قسم کی زبان میں الفاظ کندہ ہوتے ہیں۔ ایک طرف فارسی اور دیوناگری رسم الخط میں بادشاہ کا نام۔ سن اور ٹکسال کا نام ہوتا تھا۔ دوسری طرف درمیان میں کلمہ ہوتا تھا۔ سنی العقیدہ ہونے کے باعث چاروں طرف خلفائے راشدین کے نام کندہ ہوتے تھے۔ (ص ۲۵۳)

اور آج بھی بعض ایسے سکے دستیاب ہوئے ہیں جن کے ایک طرف شاہجہان بادشا غازی لکھا ہے۔ اور دوسری طرف درمیان میں **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** اور کلمہ طیبہ کے چاروں طرف ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ لکھا ہوا ہے۔

ایک دوسرے سکے پر جلال الدین اکبر بادشاہ غازی لکھا ہے اور دوسری طرف کلمہ طیبہ اور چار یار کے نام ہیں۔ اس سکہ پر ۹۱۱ھ لکھا ہوا ہے۔ علاوہ ازیں تانبے کے ایسے

سکے کئی احباب کے پاس ہیں جن میں مدینہ منورہ لکھا ہوا ہے اور دوسری طرف کلمہ طیبہ اور اس کے چاروں طرف خلفائے راشدین کے نام لکھے ہیں۔ ان سکوں پر سن ہجری مرقوم نہیں ہے۔ بہر حال مختلف زمانوں کے ان سکوں سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلم سلاطین اپنا ملی اور شرعی فریضہ سمجھتے تھے کہ وہ قادر مطلق کے عطا کردہ عارضی اقتدار کے ذریعہ اسلام کے اصل الاصول یعنی کلمہ طیبہ لا اله الا الله محمد رسول الله کا تحفظ کریں اور ان چار خلفائے راشدین کی شرعی عظمت کا تحفظ بھی کریں جو کلمہ اسلام کے علمبردار تھے اور جنہیں حق تعالیٰ نے اپنے وعدہ قرآنی کے مطابق ایک مثالی اور معیاری خلافت نبوت (یعنی خلافت راشدہ) عطا فرمائی تھی۔ نظام خلافت راشدہ کو رب العٰلمین نے حضور رحمت للعٰلمین ﷺ کے منصب ختم نبوت کے تحفظ کے لیے قائم فرمایا تھا اور آج چونکہ خلفائے راشدین کے انکار کا فتنہ اہل السنّت والجماعت کی عموماً غفلت کی وجہ سے بڑھ رہا ہے خواہ وہ خلفائے ثلٰثہ حضرت ابوبکرؓ صدیق، حضرت عمرؓ فاروق اور حضرت عثمانؓ ذوالنورین کے انکار اور تنقید کی صورت میں ہو یا چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰؓ کے انکار و استخفاف کی شکل میں بہر حال فتنہ فتنہ ہے اس لیے حسب حال بہت ضروری ہے کہ تحریر و تقریر وغیرہ ہر طریق سے خلافتِ راشدہ اور حق چار یارؓ کے اعلان حق کو ملک کے گوشے گوشے میں پھیلا کر سنی مذہب کی حقانیت واضح کی جائے۔ سنی مسلمانوں کی تابناک ماضی سے غافل مسلمانوں کو آگاہ کیا جائے یہی ایک راستہ اسلام حقیقی کے احیاء و استحکام اور شوکت و غلبہ کا ہے اور یہی وہ راستہ ہے جس کی نشاندہی خود سرور کائنات ﷺ نے اپنے معجزانہ ارشادات مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ اور عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ میں فرمائی ہے۔ یہی راہ جنت ہے اور یہی وہ صراط مستقیم ہے جس کی ہدایت خود نبی کریم رحمت للعٰلمین ﷺ خاتم النبیین ﷺ نے قیامت تک آنے والی اپنی امت کو دی ہے۔ سنی مسلمان رسول کریم ﷺ کے بعد اصحاب کرام اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کو معیار حق قرار دیتا ہے۔ سنی مسلمان تمام فقہائے اسلام اور مجتہدین امت خصوصاً امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ،

حضرت امام شافعی، حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کو محسنین امت تسلیم کرتا ہے جنہوں نے خداداد دینی فہم اور علمی بصیرت سے امت کی رہنمائی فرمائی ہے۔ سنی مسلمان تمام اولیائے امت خصوصاً حضرت سید عبدالقادر جیلانی، حضرت سید معین الدین چشتی اجمیری، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی اور حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے روحانی فیوضات اور دینی عظمتوں کا معتقد ہے۔ سنی مسلمان مصلحین و مجددین امت رحمہم اللہ تعالیٰ کے اصلاح اور تجدیدی کارناموں کا مبلغ اور محافظ ہے۔

سنی مسلمان ہر اس تحریک اور جماعت کو امت مسلمہ کے لیے عظیم فتنہ قرار دیتا ہے جو حضور خاتم النبیین ﷺ کے جانثار صحابہ، خلفائے راشدین، امہات المومنین (یعنی ازواج مطہرات) اور اہل بیت رسول اللہ ﷺ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتی ہے اور ان حضرات مقبولین بارگاہ خداوندی و محبوبین بارگاہ خداوندی و محبوبین بارگاہِ رسالت کی دینی عظمتوں کو مجروح کرتے ہوئے امت مسلمہ میں تفرقہ اور انتشار پیدا کر کے اسلام حقیقی کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرتی ہے اور جنت کی راہ سے ہٹا کر جہنم کے راستوں کی طرف دھکیلنے کی کوشش کرتی ہے۔

وکیلِ صحابہ قائدِ اہلسنت

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ

بانی تحریک خدام اہلسنت پاکستان

حیات و خدمات

حضرت مولانا نعیم الدین صاحب مدظلہم
استاذ الحدیث جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور

مکتبہ قاسمیہ
الفضل مارکیٹ ○ ۱۷۰- اُردو بازار ○ لاہور

وکیلِ صحابہ قائدِ اہلسنت

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ

بانی تحریک خدام اہلسنت پاکستان

حیات و خدمات

حضرت مولانا نعیم الدین صاحب مدظلہم
استاذ الحدیث جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور

مکتبہ قاسمیہ
الفضل مارکیٹ ۱۷۰ - اُردو بازار لاہور

بسم الله الرحمن الرحيم

جدة : ١٢ شوال ١٤٠٥

قال اللہ تعالیٰ فی کتابہ الکریم :

إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا

إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا

"بے شک ہم احسن کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے"

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيمُ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تعالیٰ نے ماضی قریب میں برصغیر پاک و ہند میں دو عظیم ہستیوں کو تجدید و احیاءِ دین کے لیے منتخب فرمایا تھا، پہلی شخصیت حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ (م: ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء) کی ہے، آپ اور آپ کے خلفاء عظام کی مساعی اور تحریک سے عالم اسلام کی دوسری عظیم سلطنت ''سلطنتِ مغلیہ'' کی اصلاح ہوئی اور کرناٹک سے لیکر افغانستان تک اسلام کا پھریرا لہرانے لگا، دینِ متین کو استحکام اور اُمتِ مسلمہ کو سکون و چین نصیب ہوا۔

دوسری شخصیت حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ (م:۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) کی ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ اور آپ کے صاحبزادگان سے تجدید و اصلاحِ اُمت، علومِ نبوت کی نشر و اشاعت، ملت کے فکر و عمل میں ایک نئی زندگی اور تازگی پیدا کرنے کا وہ عظیم الشان کام لیا جس کی مثال پیش کرنا مشکل ہے، آج اِنہی بزرگوں کی تحریک و مساعی کی بدولت برصغیر میں علم کی شمع روشن اور مدارسِ دینیہ کا جال بچھا ہوا ہے۔

''تحریکِ دیوبند'' حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہما اللہ کی مبارک و مسعود تحریک کے تسلسل کا نام ہے، عقائد و اعمال ہوں یا افکار و نظریات، شریعت و طریقت ہو یا مذہب و سیاست ہر لائن میں ''تحریک دیوبند'' کی عمارت اُن اصولوں پر اُستوار ہے جو اصول اِن دونوں بزرگوں کے تھے۔

متحدہ ہندوستان میں انگریز کے قدم جما لینے کے بعد حق تعالیٰ شانہٗ نے ''تحریک دیوبند'' کے مرکز ''دارالعلوم دیوبند'' کو حفاظتِ دین اور اشاعتِ علوم نبویہ کا ایک مؤثر و منظم اور مضبوط و محکم ذریعہ بنایا، اِس کے خمیر سے ایسے ایسے رجالِ کار تیار ہوئے جن میں سے ہر فرد ملک وملت اور دین و مذہب کے لیے ایک جماعت ثابت ہوا جس نے اپنے علم وعمل، درس و تدریس، وعظ و تبلیغ ارشاد و نصیحت، اعلاء کلمۃ اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ سے اُمت کی اصلاح اور دین کی آبیاری کی، انہی رجالِ کار میں سے ایک نمایاں شخصیت وکیل صحابہ، قائد اہلسنّت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذاتِ بابرکات سے تنِ تنہا وہ کام لیے جن کا ایک بڑی جماعت سے بھی انجام پانا مشکل نظر آتا ہے، سطورِ ذیل میں مختصر طور پر آپ کے حالات زندگی اور آپ کی دینی وملی خدمات کا ایک خاکہ پیش کیا جارہا ہے جس سے قارئین آپ کی شخصیت اور آپ کی مساعی وجدوجہد کا کچھ اندازہ کرسکیں گے۔

خاندان، ماحول، نشو ونما اور تعلیم وتربیت:

صوبۂ پنجاب کے موجودہ ضلع چکوال کا ایک قصبہ ''بھیں'' کہلاتا ہے اس قصبۂ بھیں میں ایک بہت بڑے بزرگ حضرت مولانا ابوالفضل کرم الدین دبیرؒ رہا کرتے تھے، آپ کے وجودِ مسعود سے قصبۂ بھیں جو نہایت غیر معروف تھا انتہائی معروف ہوگیا تھا، حضرت مولانا کرم الدینؒ اپنے وقت کے متبحر عالم، بہترین متکلم ومناظر، صاحبِ طرز ادیب اور قادر الکلام شاعر تھے، دبیر تخلص کرتے تھے، عربی، فارسی، اُردو کے علاوہ پنجابی میں بھی فی البدیہہ اشعار کہتے تھے، یوں

تو آپ نے اہلِ تشیّع، اہلِ حدیث اور قادیانی حضرات، سب ہی سے کامیاب مناظرے کئے تاہم آپ کا اصل ہدف قادیانیت تھی چنانچہ آپ نے مولانا فقیر محمد جہلمیؒ کے جاری کردہ ہفت روزہ جریدہ ''سراج الاخبار'' میں قادیانیت کے خلاف خوب لکھا اور اور جلسوں میں مرزا قادیانی کو بھرپور تنقید کا نشانہ بنایا، مرزا قادیانی کے معتقدین نے آپ پر یکے بعد دیگرے تین مقدمات قائم کیے جن میں آپ باعزت بری ہوئے، پہلے آپ کا میلان علماء بریلی کی طرف تھا لیکن ۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۷ء میں سلانوالی ضلع سرگودھا میں ہونے والے مشہور و معرکہ آراء مناظرۂ علمِ غیب[1] سے متأثر ہو کر آپ کا رُخ بدل گیا اور اکابر علماء دیوبند کی عقیدت و محبت آپ کے دل میں گھر کر گئی۔

---

[1] اس مناظرہ کے متعلق حضرت قاضی صاحبؒ رقم طراز ہیں
۱۹۳۷ء/۱۳۵۵ھ میں بمقام سلانوالی ضلع سرگودھا ''علم الغیب'' کے موضوع پر دیوبندی بریلوی علماء کے مابین ایک معرکۃ الآراء مناظرہ ۱۵، ۱۶ ذی الحجہ دو دن رہا، دیوبندی علماء کی طرف سے مناظر حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ اور حضرت مولانا عبدالحنان صاحب ہزارویؒ فاضلِ دیوبند و خطیب آسٹریلیا جامع مسجد لاہور صدر تھے اور بریلوی علماء کی طرف سے مولوی حشمت علی خان قادری رضوی لکھنوی مناظر اور میرے والد صاحب صدر تھے، دیوبندی علماء کی طرف سے یہ مناظرہ علم غیب بعنوان رودادِ مناظرہ سلانوالی ضلع سرگودھا مسمّٰی باسم تاریخی ''ہوالظفر المبین'' ۱۳۵۵ھ کتابی شکل میں چھپا ہوا میرے پاس موجود ہے ان دنوں میں دارالعلوم بھیرہ میں پڑھتا تھا اس مناظرہ کے سلسلہ میں جناب والد صاحب پہلے بھیرہ تشریف لے گئے تھے اور پھر وہاں سے سلانوالی تشریف لے گئے تھے۔ مہتمم مدرسہ حضرت مولانا ظہور احمد صاحب بگویؒ نے طلبہ کو اس مناظرہ میں جانے کی اجازت نہیں دی تھی اس لئے میں بھی والد صاحب مرحوم کے ساتھ نہ جاسکا مناظرہ کے بعد والد صاحب مرحوم واپس بھیرہ تشریف لائے اور اس مناظرہ کے متعلق مجھ سے یہ فرمایا تھا کہ دیوبندی مناظر تو بڑا سنجیدہ تھا لیکن بریلوی مناظر پھکڑ باز تھا بار بار دیوبندی مناظر مولوی منظور کو کہتا کہ میں ناظر تو منظور، میں ناظر تو منظور، اس سے معلوم ہوا کہ والد صاحب دیوبندی مناظر حضرت مولانا منظور نعمانی (وفات ۱۹۹۷ء) کے دلائل سے متأثر ہو کر دیوبندی مسلک کی حقانیت کو سمجھ گئے تھے اور یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد دوسرے سال شوال ۱۳۵۶ھ میں آپ نے دارالعلوم دیوبند حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عریضہ لکھ کر میرا داخلہ منظور کروایا تھا
(ماہنامہ حق چار یارؓ، مکاتیب شیخ الادب نمبر ص ۲۳)

۸ شعبان ۱۳۶۵ھ/ ۱۷ر جولائی ۱۹۴۶ء میں آپ کا انتقال ہوا اور ''بھیں'' میں آپ کی تدفین ہوئی، مندرجہ ذیل کتب آپ کی یادگار ہیں (۱) آفتاب ہدایت (۲) تازیانۂ عبرت (۳) مناظرات ثلاثہ (۴) صداقتِ مذہب نعمانی (۵) السیف المسلول لاعداء خلفاء الرسول۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو چھ فرزند عطا فرمائے (۱) ضیاء الدین (۲) سراج الدین (۳) فضل حسین (۴) منظور حسین (۵) غازی منظور حسین (۶) مظہر حسین۔

اوّل الذکر سب سے بڑے صاحبزادے تھے چوتھے نمبر کے صاحبزادے منظور حسین بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے ان کے نام پر پانچویں صاحبزادے کا نام بھی منظور حسین رکھا گیا، آپ جوانی میں شہید کر دیئے گئے تھے، سب سے چھوٹے صاحبزادے حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ تھے جو اپنے والد کے علمی وارث اور جانشین بنے۔

ولادت:

۲۹ر ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ/ ۲۰ر اکتوبر ۱۹۱۴ء بروز منگل قصبۂ بھیں میں آپ کی ولادت ہوئی اور مظہر حسین نام رکھا گیا۔

تعلیم وتربیت:

تعلیم وتربیت کے متعلق حضرت قاضی صاحبؒ خود تحریر فرماتے ہیں:

''میری دنیوی تعلیم میٹرک تک ہے، سکول میں میں نے عربی لی ہوئی تھی، اس کے بعد فارسی کتب سکندر نامہ تک اور ابتدائی

صرف ونحو کی بعض کتابیں بھی والد صاحب سے پڑھیں، کچھ ترجمہ قرآن مجید بھی پڑھا، اس کے بعد ''اشاعتِ اسلام کالج'' کا دوسالہ کورس پاس کیا، یہ کالج انجمن حمایت اسلام لاہور کی سرپرستی میں قائم ہوا تھا۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم بھی اس کے سرپرست تھے، اس میں انگریزی بھی پڑھائی جاتی تھی، اس کالج کے پرنسپل کلامِ اقبال مرحوم کے شارح پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم تھے، اور اساتذہ میں جناب مولانا غلام مرشد صاحب مرحوم فاضل دیوبند (جو علامہ محمد انور شاہ صاحب محدث کشمیریؒ کے تلامذہ میں سے تھے) اور مولانا قاضی سراج احمد صاحب مرحوم فاضل دیوبند تھے، یہ اچھے ادیب تھے، ترجمہ قرآن مجید اِنہوں نے ہی پڑھایا، اس کالج میں طلبہ کی تعداد محدود ہوتی تھی اور انجمن کی طرف سے بیس روپیہ ماہانہ وظیفہ ملتا تھا، تقاریر بھی کرائی جاتی تھیں، دوسالہ کورس پاس کرنے والے کو ماہر تبلیغ کی سند ملتی تھی، جمعیت علماء پاکستان کے رہنما جناب مولانا عبدالستار خان صاحب نیازی بھی وہاں میرے ہم کلاس رہے ہیں، اشاعت اسلام کالج لاہور سے فراغت کے بعد ''دارالعلوم عزیزیہ'' بھیرہ ضلع خوشاب میں دوسال تک زیر تعلیم رہا، اس وقت مہتمم حضرت مولانا ظہور احمد صاحب بگویؒ تھے، اس دارالعلوم میں بندہ نے موقوف علیہ تک کتابیں پڑھ لیں، دارالعلوم

(عزیزیہ) میں اس وقت بڑے استاذ امام فن مولانا محمد دین صاحب المعروف بہ استاذ بدھو والے تھے، ان سے اصول فقہ میں "توضیح تلویح" اور منطق میں "حمد اللہ" وغیرہ پڑھیں، ان کی تقریر بڑی مؤثر ہوتی تھی ان کا ایک اصولی جملہ مجھے یاد ہے کہ "خلقِ قبیح قبیح نہیں کسبِ قبیح قبیح ہے" اس دارالعلوم میں ہدایہ اور مشکوٰۃ شریف بھی پڑھیں، ہدایہ جناب مولانا محمد قاسم صاحب ہزاروی سے پڑھی، لیکن یہ یاد نہیں رہا کہ مشکوٰۃ شریف کے استاذ کون تھے، اس دارالعلوم میں جناب مولانا غلام اللہ خان صاحب مرحوم (پیدائش ۱۹۰۵ء بمطابق ۱۳۲۳ھ وفات ۱۹۸۰ء بمطابق ۱۴۰۰ھ) بانی دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی بھی مدرس رہے ہیں، میں نے ان سے صرف منطق کی کتاب صغریٰ اور ایساغوجی پڑھی ہے وہ ان کی تدریس کا ابتدائی دور تھا وہ ۱۹۳۷ء میں چند مہینے رہے ان کے جانے کے بعد بدھو والے استاذ تشریف لائے تھے، دارالعلوم عزیزیہ سے فراغت کے بعد رمضان ۱۳۵۶ھ میں حضرت والد صاحب نے دارالعلوم دیوبند میں بندہ کے داخلہ کے لیے حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ شیخ الحدیث دارالعلوم کی خدمت میں عریضہ لکھا تو سلہٹ آسام سے حضرت کا جوابی گرامی نامہ موصول ہوا جس میں میرے داخلہ کو منظور فرماتے ہوئے فرمایا کہ وہ تو حج کرنے کے بعد

دارالعلوم میں آئیں گے۔ آپ کے فرزند کے بارے میں شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب کو لکھ دیا ہے۔ افسوس کہ بعد کے ہنگاموں میں حضرت کا والا نامہ ضائع ہوگیا۔ اتنا یاد ہے کہ والد صاحب نے فرمایا تھا کہ آج ہندوستان کی ایک بڑی شخصیت کا خط آیا ہے۔ رمضان شریف کے بعد شوال ۱۳۵۶ھ مطابق (جنوری ۱۹۳۸ء) میں والد صاحب کا رقعہ لے کر دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الادب کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے انتہائی شفقت سے نوازا داخلہ کا امتحان بھی خود لیا اور چند دنوں کے بعد دارالعلوم کے دار جدید کمرہ نمبر ۱۴ میں رہائش کے لیے مجھے بھیج دیا وہاں تین پشتون طلبہ تھے اور صرف میں اکیلا پنجابی تھا اس کمرہ میں مولانا امیر محمد صاحب متعلم دورہ حدیث ساکن لکی مروت ضلع بنوں مولانا گل سردار صاحب ساکن مندرہ خیل ضلع بنوں اور مولانا احمد علی شاہ صاحب ساکن تترہ خیل ضلع بنوں تھے۔ دو سال ہم نے اس کمرے میں بڑے اچھے برادرانہ تعلقات کی حیثیت سے گزارے۔ دوسرے سال مولانا سردار گل صاحب دورہ حدیث میں میرے ساتھ تھے اور مولانا احمد علی شاہ صاحب ہم سے ایک سال بعد دورہ حدیث میں شریک ہوئے۔ مذکورہ تینوں حضرات میں سے جناب مولانا گل سردار صاحب متوفی (۱۹۹۴ء) اور مولانا احمد علی شاہ

صاحب وفات پا گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حق تعالیٰ مغفرت فرمائیں اور جنت الفردوس نصیب ہو (آمین) اور جناب مولانا امیر محمد صاحب فاضل دیوبند بھی اب بڑھاپے کی منزلیں طے کر رہے ہیں۔

(اسباق) پہلے سال مشکوٰۃ شریف، مختصر المعانی اور متنبّی کے اسباق تھے۔ مشکوٰۃ شریف اور مختصر المعانی حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھیں اور گو میں بھیرہ میں مشکوٰۃ شریف پڑھ چکا تھا لیکن حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب کے پاس پڑھنے سے ایک خاص لذت محسوس ہوتی تھی۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ حضرت مدنی کے ہم درس رہے ہیں۔ حماسہ کچھ پہلے پڑھا ہوا تھا لیکن امام فن حضرت شیخ الادب نے جب متنبّی پڑھائی تو اس کی کیفیت ہی نرالی تھی۔ صرف ونحو کے دقائق بیان فرماتے تھے۔ میں نے متنبّی کی تقریر بھی لکھ لی تھی جو بعد میں ضائع ہوگئی اور الحمدللہ متنبّی کے ششماہی امتحان میں بندہ اوّل آیا اور سالانہ امتحان میں دوسرے نمبر پر رہا۔ اور مشکوٰۃ شریف کی کاپی بھی لکھ لی تھی جو گول چوک سرگودھا کے خطیب قاری جلیل صاحب مرحوم نے لی اور کہیں ضائع کر دی۔ دورہ حدیث سے فارغ ہونے پر امرتسر کے مولوی احمد سعید صاحب نے نقل کرنے کے لیے متنبّی کی کاپی لے لی تھی لیکن ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں میں ان کا

حال معلوم نہیں ہو سکا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور حضرت مولانا عزیر گل صاحب اسیر مالٹا کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا نافع گل صاحب خارج وقت میں شرح عقائد نسفی پڑھایا کرتے تھے بندہ بھی ان کے درس میں شریک ہوتا رہا۔

(دورۂ حدیث): شوال ۱۳۵۷ھ مطابق نومبر ۱۹۳۸ء میں دورۂ حدیث میں داخلہ لیا بخاری شریف اور ترمذی شریف شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ کے پاس تھیں۔ ترمذی شریف دن کو اور بخاری شریف رات کو پڑھاتے تھے اور درس بخاری میں تو حضرت کی روحانیت کا کچھ ایسا اثر محسوس ہوتا تھا کہ گویا دل دھل گئے ہیں۔ درس بخاری اور درس ترمذی کے دوران درس ہی میں بندہ حضرت کے ارشادات لکھ لیتا تھا۔ ترمذی شریف میں حنفیت کے دلائل ہوتے تھے اور بندہ کو تقلید شخصی کے بارے میں شرح صدر حضرت کے درس کے فیضان ہی سے ہوا تھا وللہ الحمد۔

(دیگر اساتذہ کرام): مسلم شریف حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ، ابوداؤد شریف حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ (بانی دارالعلوم کراچی) کے پاس تھیں۔ البتہ شروع میں چند دن حضرت مولانا میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی اور طحاوی شریف حضرت مولانا علامہ شمس الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھی لیکن درمیان سال

بحیثیت وزیر تعلیمات ریاست قلات میں تشریف لے گئے تھے۔ مسلم شریف اور طحاوی شریف کی تقریریں بھی میں نے قلمبند کر لی تھیں، لیکن وہ استفادہ کے لیے جناب مولانا غلام یحییٰ صاحبؒ صدر المدرسین جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم نے لیں لیکن اچانک کار کے ایکسیڈنٹ میں ان کا انتقال ہو گیا پھر وہ کاپیاں نہیں مل سکیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور الحمد للہ دورۂ حدیث کے سالانہ امتحان میں بندہ تیسرے نمبر پر پاس ہوا۔ ایک طالب علم مولوی محمد شریف پشاوری نے بھی میرے نمبرات مجھے بھیجے تھے اور اب حضرت مولانا عبدالدیان صاحب نے بھی دارالعلوم سے نمبرات حاصل کر کے مجھے دیئے ہیں''۔[1]

حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس تحریر سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ نے علوم جدیدہ وقدیمہ دونوں حاصل کیے تھے، عصری علوم میں میٹرک کا امتحان پاس کیا جو اس دور کے ایم اے، بی اے سے بڑھ کر تھا، دینی علوم کی تکمیل کے لیے آپ ازھر الہند دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور دو سال وہاں رہ کر کبار اساتذۂ کرام اور بڑے بڑے اساطینِ علم وفضل سے کسب فیض کیا۔

وطن واپسی اور ایک عظیم ابتلاء:

حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''شعبان ۱۳۵۸ھ مطابق ستمبر ۱۹۳۹ء میں دارالعلوم سے

---

[1] ماہنامہ حق چار یارؓ، مکاتیب شیخ الادب نمبر ص ۳ تا ۵۔

فراغت کے بعد میں اپنے وطن موضع بھیں تحصیل چکوال ضلع جہلم میں ہی مقیم رہ کر وقتاً فوقتاً سنی دیوبندی مسلک کی تبلیغ کے لیے علاقہ بھر میں جلسے کرتا رہا، ہمارا علاقہ اکابر دیوبند سے آشنا نہ تھا۔ رفض و بدعت کے اثرات پھیلے ہوئے تھے چکوال شہر میں بھی صرف چند گنے چنے افراد اکابر دیوبند سے عقیدت رکھتے تھے الحمدللہ ان جلسوں کے ذریعے عوام اکابر دیوبند کے مسلک حق کو سمجھنے لگ گئے تھے کہ اچانک اپنے گاؤں میں ایک متنازعہ مکان کے بارے میں ہماری لڑائی ہو گئی، مخالف فریق کا سرغنہ ایک چودھری تھا جو اہل تشیع سے تعلق رکھتا تھا چودھری صاحبان سے قرابت داری کی وجہ سے دوسرے گاؤں کا ایک قد آور لڑکا سنی نوجوان بھی اس کی حمایت میں آ گیا تھا۔ اس نے مجھ پر حملہ کرنے میں پہل کی جس سے میں زخمی ہو گیا لیکن میری دفاعی ضرب سے وہ شدید زخمی ہو کر بھاگ نکلا میں نے اس کا تعاقب کیا تو اس نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو۔ میں نے اسے چھوڑ دیا (اور مخالف فریق کے چند اور ساتھی سرغنہ سمیت بھاگ گئے) اور زخم چونکہ شدید تھا اس کو لوگ تین چار کوس کے فاصلہ پر تھانہ ڈوہمن کے ہسپتال لے گئے اور وہ وہاں انتقال کر گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حق تعالیٰ مغفرت فرمائیں اور جنت نصیب ہو (آمین) یہ ۱۲ر جون ۱۹۴۱ء کا واقعہ ہے میں تو چونکہ زخمی تھا

اور مقدمہ سے نکل نہیں سکتا تھا مخالفین نے مقتول مرحوم سے ہی بیان دلوا دیا کہ اس کو میرے بڑے بھائی مولوی منظور حسین صاحب نے قتل کیا ہے حالانکہ وہ اس لڑائی میں موجود ہی نہیں تھے باہر کھیت میں گئے ہوئے تھے۔ اپنے متعلقین میں سے ملک ستار محمد مرحوم اور ملک فتح دین مرحوم میرے ساتھ ہو کر لڑے تھے لیکن مقدمے میں ان کے ساتھ ملک فتح دین مرحوم کے بڑے بھائی ملک محمد اکبر صاحب مرحوم کا نام بھی مخالفین نے لکھوا دیا تھا حالانکہ وہ اپنے گھر میں تھے، لڑائی میں شامل ہی نہیں تھے وہ بھی ہمارے ساتھ گرفتار ہوئے ہم پر دفعہ ۳۰۲ کے تحت قتل کا مقدمہ چلا اور بالآخر ہم چاروں کو سیشن جج جہلم نے عمر قید کی سزا سنا دی اور اس وقت عمر قید کے سزا یافتہ کو ۲۰ سال قیدی تصور کیا جاتا تھا جس میں سے ۱۴ سالہ قید بامشقت کاٹنی پڑتی تھی''۔[1]

حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے ایامِ اسیری میں جیل کے اندر باشارۂ غیبی نماز کے لیے اذان کہنی شروع کر دی تھی جو جیل حکام پر گراں گزرتی تھی اور وہ آپ کو اِس سے بزور روکنا چاہتے تھے لیکن جوں جوں اِن کا انکار بڑھتا تھا حضرت قاضی صاحبؒ کا اصرار بڑھتا جاتا تھا، اِن حالات میں آپ کو بہت سے ابتلاءات و آزمائشوں سے گزرنا پڑا، آپ کو قید تنہائی میں رکھا گیا، چکیوں میں مقید کیا گیا، مختلف قسم کی مشقتوں پر لگایا گیا، آپ نے اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی

---

[1] ماہنامہ حق چار یارؓ، مکاتیب شیخ الادب نمبر ص ۱۶۔

کے لیے ان سب تکالیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کا حق ادا کرتے رہے، قید کے دوران ہی آپ کے بڑے بھائی غازی منظور حسین شہید کر دیئے گئے اور انہی ایام میں آپ کے والدین اللہ کو پیارے ہو گئے۔

بیعت وسلوک، خلافت واجازت:

بیعت کے متعلق حضرت قاضی صاحبؒ اپنے ایک گرامی نامہ میں جو آپ نے حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ کو تحریر فرمایا تھا۔ رقم طراز ہیں:

''جیل کے ابتدائی ایام میں حضرت شیخ الادب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عریضہ لکھتا رہا، گو بیعت کے لیے قلبی میلان حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ہی تھا مگر پھر بھی حضرت شیخ الادب رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارہ میں مشورہ حاصل کیا تو شیخ الادب رحمۃ اللہ علیہ نے سنٹرل جیل لاہور کے پتہ پر بندہ کو جواب میں تحریر فرمایا کہ ''برادرم میری نظر میں تو یہی مفید ہے کہ اگر موقع ہو تو آپ حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی صاحب مدظلہٗ سے بیعت کر لیں، بیعت کے سلسلہ میں نہ میں قابل ذکر ہوں نہ میری بیعت، طالب العلمی سے فارغ ہو کر ایک معمولی سی ملازمت کے لیے بھاگلپور جانے لگا تو حضرت شیخ الہندؒ کے ارشاد سے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ سے بیعت ہو گیا تھا، آپ نے چونکہ مجھ ہی سے استشارہ کیا تھا اس واسطے میں نے اَلْمُسْتَشَارُ

مُؤْتَمَنُ' کے موافق اپنا خیال ظاہر کر دیا۔ اللہ تعالیٰ وہ وقت لاوے کہ آپ جیل خانہ سے عزت کے ساتھ بری ہوں ۱۰ صفر ۱۳۴۱ھ'' اس کے بعد بندہ نے بذریعہ عریضہ حضرت شیخ الادبؒ کی وساطت سے حضرت مدنی قدس سرہٗ سے بیعت کی درخواست کی تو حضرت نے شرف قبولیت بخشا اور شیخ الادبؒ کی وساطت سے ہی ذکر اللہ کی تلقین فرمائی، الحمدللہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے توسل کی برکت سے جیل کے ایام گویا کہ خواب کی طرح گزر گئے، اس دوران میں حضرت الشیخ قدس سرہٗ کی خدمت میں عریضہ لکھتا رہا اور حضرت بھی اپنی خصوصی شفقت سے نوازتے رہے، بندہ کے دل میں اس امر کا کوئی تصور بھی نہ تھا مگر قید کے آخری ایام میں حضرت مدنی قدس سرہٗ نے دوسروں کو تلقین ذکر وغیرہ کی اجازت عطا فرما دی اور پھر رہائی کے بعد بھی آپ نے یہی ارشاد فرمایا''۔[1]

تقریباً آٹھ سال قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد آپ ۲۶/جمادی الاخریٰ ۱۳۶۸ھ/۲۶/اپریل ۱۹۴۹ء بروز منگل سنٹرل جیل لاہور سے رہا ہوئے۔ رہائی کے بعد آپ اپنے آبائی گاؤں بھیں تشریف لائے اور دینی وملی خدمات میں مصروف ہو گئے محلّہ کی مسجد زمینداراں کا نام بدل کر فاروقی مسجد رکھا اور اس میں فجر کی نماز کے بعد باقاعدگی کے ساتھ درس قرآن کا سلسلہ شروع فرمایا۔ جمعہ کی نماز مرکزی جامع مسجد اہلسنّت (بھیں) میں پڑھانی شروع کر دی

---

[1] امہ حق چار یارؒ، اشاعت خاص قائد اہلسنتؒ نمبر ص ۳۶۴۔

جس میں آپ عوام الناس کو توحید و رسالت، مقامِ صحابہ و اہل بیت، اعمالِ صالحہ کی پابندی اور مروجہ بدعات و رسومات کو چھوڑنے اور صحابۂ کرام کے نقش قدم پر چلنے کی تاکید فرماتے رہے، علاقہ کے دیہات میں تبلیغی جلسوں کا سلسلہ قائم فرمایا جن کی برکت سے لوگ دین کی طرف راغب ہونے لگے اور مسجدیں آباد ہو گئیں۔

مدرسہ عربیہ اظہار الاسلام کی بنیاد:

حضرت قاضی صاحبؒ نے شعبان ۱۳۷۱ھ/مئی ۱۹۵۲ء میں فاروقی مسجد کی شمالی جانب متصلاً جگہ لیکر ''مدرسہ عربیہ اظہار الاسلام'' کی بنیاد رکھی اور اس مدرسہ کا پہلا مدرس حضرت مولانا امیر زمان صاحب کو مقرر فرمایا، مدرسہ ترقی کے منازل طے کر رہا تھا اور ابھی تقریباً ڈھائی سال ہی کا عرصہ ہوا تھا کہ چکوال کے احباب بہت زیادہ اصرار کرنے لگے کہ آپ مدرسہ چکوال منتقل کر کے یہاں شہر میں کام کریں۔ آپ نے اپنے شیخ حضرت مدنی رحمہ اللہ کو خط لکھ کر آپ کی رائے دریافت کی حضرت نے جواباً ارشاد فرمایا: ''مدرسہ کا چکوال میں ہونا زیادہ مفید معلوم ہوتا ہے، استخارۂ مسنونہ سات مرتبہ کیجئے اگر جواب میں کوئی ہدایت ہو تو فبہا ورنہ رجحان قلبی پر عمل کیجئے''۔

حضرت مدنی رحمہ اللہ کا جواب آنے کے بعد حضرت قاضی صاحبؒ نے ۳ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۴ھ/ ۲۸ جنوری ۱۹۵۵ء بروز جمعۃ المبارک ''مدرسہ عربیہ اظہار الاسلام'' جامع مسجد امدادیہ راولپنڈی روڈ چکوال میں منتقل فرما دیا، تقریباً تین سال مدرسہ کی مسجد ہی میں جمعہ کا خطبہ دیتے رہے، ۱۹۵۸ء میں مسجد مہاجرین نیا محلہ بھون روڈ چکوال کے منتظم و خزانچی خان سلطان محمود مرحوم اور اہل

محلّہ کی خواہش پر مسجد کی خطابت کے فرائض انجام دینے لگے اور مسجد کا نام مسجد مہاجرین کے بجائے مدنی مسجد تجویز ہوا، مدرسہ عربیہ اظہار الاسلام کا اہتمام حضرت قاضی صاحبؒ کے ذمہ تھا آپ کی وفات کے بعد مدرسہ کے مہتمم قاری جمیل الرحمٰن صاحب مقرر ہوئے ہیں مدرسہ میں موقوف علیہ تک تعلیم کا انتظام ہے۔

جامعہ اہلسنّت تعلیم النساء کا قیام:

حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خواتین کی تعلیم وتربیت اور اُن کے عقائد واعمال کی اصلاح کے لیے ۱۹۶۰ء میں مدنی مسجد کے متصل عمارت میں اپنی زیرنگرانی ''جامعہ اہلسنّت تعلیم النساء'' کے نام سے ایک عظیم دینی درس گاہ قائم فرمائی جس کا نظم ونسق اور تعلیم وتربیت کی تمام تر ذمہ داری حضرت کی اہلیہ محترمہ کے سپرد ہوئی، حضرت کی اہلیہ محترمہ حضرت قاری فتح محمد صاحب پانی پتیؒ کی عزیزہ اور شاگردہ تھیں، اُنہوں نے اپنے خلوص وللّٰہیت اور بہترین استعداد وصلاحیت کی بناء پر اس درس گاہ کو بامِ عروج پر پہنچا دیا، اب تک اس درس گاہ سے چارسو سے زائد طالبات حفظ قرآن اور ہزاروں طالبات قرآن پاک کی عام تعلیم اور سینکڑوں طالبات درس نظامی کے شعبۂ فاضلات کی اَسناد حاصل کر چکی ہیں جبکہ اس وقت جامعہ میں تقریباً ۳۵۵ بیرونی طالبات حفظ قرآن، تفسیر وحدیث اور فقہ پڑھ رہی ہیں، جامعہ کے ماتحت تقریباً پچاس بیرونی شاخیں کام کر رہی ہیں۔ اس جامعہ کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں کوئی استاد مرد نہیں ہے تمام تر استاذ خواتین ہیں۔ اس مدرسہ کے موجودہ مہتمم حضرت قاضی صاحبؒ کے داماد مولانا زاہد حسین رشیدی زید مجدہم ہیں۔

بیعت وارشاد:

حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے درس وتدریس، وعظ ونصیحت

کے ساتھ اپنے شیخ کی ہدایت کے مطابق بیعت وارشاد کا سلسلہ بھی قائم فرمایا: بے شمار افراد نے آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل کیا، یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت وارشاد کے سلسلہ میں عام مشائخ کی روش سے ہٹ کر خالصتاً اپنے شیخ کے منہج اور طریق کو اپنایا، یہی وجہ ہے کہ آپ بیعت برائے بیعت کے بجائے بیعت برائے اصلاح وتربیت کو ترجیح دیتے تھے، آپ کے یہاں پیری مریدی کے مروجہ لوازمات نظر نہیں آتے، اسی طرح آپ کے یہاں مروجہ مجالس ذکر کے حلقے لگتے دکھائی نہیں دیتے، آپ کے یہاں اسلاف کے طریقہ کے مطابق بیعت وارشاد کا مقصد سالک کے عقائد و نظریات کی اصلاح، سنت کے مطابق اعمال کا اہتمام اور تزکیۂ نفس تھا۔

حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اجازت وخلافت کا معیار بہت سخت تھا اس لیے آپ کے خلفاء کی تعداد نظر نہیں آتی چند خوش نصیب افراد ہیں جنہیں حضرت نے بیعت توبہ کی اجازت دی اور صرف ایک بزرگ ہیں جنہیں بیعت سلوک کی اجازت مرحمت فرمائی، حضرت قاضی صاحبؒ نے وفات سے پیشتر جو وصیت نامہ لکھوایا تھا اس میں آپ نے فرمایا ہے کہ:

> ''بیعت دو قسم کی ہوتی ہے ایک بیعت توبہ، دوسری بیعت سلوک، بیعت توبہ کی اجازت ہر اس شخص کو دی جاتی ہے جو متشرع اور مخلص ہو، خواہ نسبت باطنی اس کو حاصل نہ ہو، اور بیعت سلوک کی اجازت صاحب نسبت کو دی جاتی ہے.....
> بندہ نے حسب ذیل حضرات کو بیعت توبہ کی اجازت دی ہے۔
> (۱) حضرت مولانا محمد یوسف شیخ الحدیث پلندری آزاد کشمیر

(اسم ذات کی کثرت سے ان کو بھی انشاء اللہ نسبت حاصل ہو سکتی ہے)

(۲) جناب مولانا فضل احمد صاحب مدرس جامعہ امدادیہ فیصل آباد جو حضرت مولانا محمد امین شاہ صاحب مخدوم پور والوں کے داماد ہیں۔

(۳) حضرت مولانا قاری جمیل الرحمٰن صاحب (تاجک حضرو حال مقیم چکوال)

(۴) حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب بمقام جہان ضلع حیدرآباد موصوف کی استعداد اچھی ہے، احوال عمدہ ہیں ان کو نسبت حاصل ہے مگر ابھی رسوخ نہیں، اب میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کو بیعت سلوک کی اجازت دیتا ہوں (۲۵/ذی قعدہ ۱۴۲۴ھ) خدا تعالیٰ مجھ سمیت تمام مسلمانوں کی نظریاتی و عملی اصلاح فرمائیں، آمین بحرمۃ سیّد المرسلین"[1]۔

تصنیف و تالیف:

اللہ تعالیٰ نے حضرت قاضی صاحب کو دعوت و تبلیغ اور تقریر و تذکیر کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا ملکہ بھی عطا فرمایا تھا، اسی کا اثر تھا کہ آپ کے قلم حقیقت رقم سے مختلف موضوعات پر تین درجن سے زائد چھوٹی بڑی کتابیں نکل کر شائع ہوئیں، ذیل میں آپ کی تصانیف کے نام درج کئے جا رہے ہیں:

(۱) بشارۃ الدارین بالصبر علیٰ شہادۃ الحسینؓ، (۲) خارجی فتنہ (حصہ

---

[1] ماہنامہ حق چار یارؓ، اشاعت خاص قائد اہلسنتؒ نمبر ص ۱۹۰

اوّل) (۳) خارجی فتنہ (حصہ دوم) (۴) کشف خارجیت (۵) دفاعِ معاویہ (۶) صحابہ کرام اور مودودی (۷) علمی محاسبہ (۸) مودودی مذہب (۹) مودودی جماعت کے عقائد و نظریات پر ایک تنقیدی نظر (۱۰) مولانا سیّد گل بادشاہ صاحبؒ کا فتویٰ اور مودودی جماعت (۱۱) کیا عورت صدر مملکت بن سکتی ہے؟ (۱۲) مودودی صاحب کے نام کھلی چٹھی (۱۳) جماعت اسلامی شیعہ انقلاب چاہتی ہے (۱۴) عقیدہ عصمت انبیاء اور مودودی (۱۵) جوابی مکتوب (۱۶) ہم ماتم کیوں نہیں کرتے (۱۷) سنی مذہب حق ہے (۱۸) تجلیات صداقت پر ایک اجمالی نظر (۱۹) سنی تحریک الطلبہ کا سنی موقف (۲۰) دینی مدارس کے سنی شیعہ طلبہ کا اتحادی فتنہ (۲۱) صحابہ کرام اور پاکستان (۲۲) سوادِ اعظم کے ملکی و ملی حقوق کے لیے اہم سنی مطالبات (۲۳) عقیدۂ خلافت راشدہ اور امامت (۲۴) سنی عرضداشت (۲۵) سنی شیعہ متفقہ ترجمہ قرآن کا عظیم فتنہ (۲۶) ایک غیر منصفانہ فیصلہ (۲۷) یادگارِ حسینؓ (۲۸) ایک خطرناک سازش (۲۹) عظمت صحابہ اور حضرت مدنیؒ (۳۰) مکتوب مرغوب (۳۱) احتجاجی مکتوب (۳۲) اصلاحی مکتوب (۳۳) قادیانی دجل کا جواب (۳۴) کشف التلبیس (۳۵) اعجاز الحق بجواب اظہار الحق (۳۶) خدام اہلسنّت کا شرعی منشور (۳۷) تحفظ اسلام پارٹی کا انتخابی موقف وغیرہ۔

حضرت قاضی صاحبؒ کی تصانیف کے ناموں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ آپ کی اکثر تصانیف مذہبِ اہلسنّت والجماعت کی توضیح و تشریح، دفاعِ صحابہ و اہل بیت اور اکابر علماء دیوبند کے مسلک کی ترجمانی میں لکھی گئی ہیں۔

آپ نے اپنی زیر ادارت ایک ماہنامہ مجلّہ ''حق چار یارؓ'' جاری فرمایا

جو مارچ ۱۹۸۹ء سے تا حال شائع ہو رہا ہے، جس میں آپ کے ادارتی مضامین شائع ہوتے رہے، اس رسالے کے بہت سے خاص نمبر بھی شائع ہوئے جن میں آپ نے نہایت قیمتی اور پُر مغز مضامین تحریر فرمائے، اس کے علاوہ مختلف سیاسی و مذہبی موضوعات پر آپ کے وقیع مضامین ملکی روزناموں اور دیگر مجلّات میں شائع ہوتے رہے، آپ کے بہت سے قیمتی مضامین جو غیر مطبوع تھے اُنہیں ماہنامہ ''حق چار یارؓ'' میں سلسلہ وار شائع کیا جا رہا ہے۔ حال ہی میں ماہنامہ ''حق چار یارؓ'' کی جانب سے آپ کی حیات و خدمات کے حوالے سے تقریباً چودہ سو صفحات پر مشتمل ایک خاص نمبر شائع کیا گیا ہے جس میں آپ کی بہت سی نادر تحریرات بھی درج کی گئی ہیں۔

سیاسی زندگی:

حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سیاسی ذوق اپنے شیخ کی طرف سے ودیعت ہوا تھا، آپ کے شیخ مکرم حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سیاست کے امام تھے اس لیے آپ میں سیاسی ذوق ہونا ایک فطری امر تھا، آپ ایک اصول پسند، جرأت مند اور نڈر و بے باک سیاسی رہنما تھے، آپ کی سیاست مذہب کے تابع تھی، حق بات کہنا، حق کے لیے لڑنا، حضرت مرحوم کا خاص امتیاز تھا، اس بارہ میں کسی قسم کی مداہنت کا آپ کبھی شکار نہیں ہوئے نہ وقت کی مصلحتوں نے آپ کو کبھی اظہارِ حق سے روکا۔

اکتوبر ۱۹۵۶ء میں مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں جب جمعیت علماء اسلام کی نشأۃ ثانیہ ہوئی اور حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کو امیر اور آپ

کے حکم سے حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کو ناظم مقرر کیا گیا تو حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قاضی صاحبؒ کو ضلع جہلم کا امیر منتخب فرمایا (ان دنوں چکوال ضلع جہلم میں شامل تھا) ۱۹۶۲ء میں حضرت لاہوری رحمہ اللہ کے انتقال کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سرگودھویؒ کو شمالی پنجاب کا امیر اور حضرت قاضی صاحبؒ کو ناظم اعلیٰ مقرر کیا گیا پھر جب ۱۹۶۵ء میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا انتقال ہوا تو حضرت قاضی صاحبؒ کو مفتی صاحب کی جگہ شمالی پنجاب کا امیر مقرر کر دیا گیا۔ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دورِ نظامت و امارت میں جمعیت علماء اسلام کی تنظیم و ترقی کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا اور اکابر علماء کے ہمراہ دُور دراز کے دورے کر کے جمعیت کے پیغام کو پھیلایا، افسوس کہ حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ جمعیت کے ساتھ زیادہ دیر نہیں چل سکے، چنانچہ آپ نے جمعیت کی بعض پالیسیوں سے اختلاف کی وجہ سے ۲۲ جون ۱۹۷۰ء کو استعفاء دے دیا۔

حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے باطل کے خلاف اُٹھنے والی ہر تحریک میں مقدور بھر حصہ لیا، ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت چلی تو اس میں قائدانہ کردار ادا کیا اور جہلم شہر سے ایک بڑے جلوس کی قیادت کرتے ہوئے گرفتاری پیش کی۔

تحریک خدام اہلسنّت کا قیام:

حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے ۱۹۶۹ء میں مذہب اہلسنّت والجماعت کی نصرت و حمایت اور اس کی نشر و اشاعت کی غرض سے ''مجلس خدام اہلسنّت'' کے نام سے ایک تنظیم کی بنیاد ڈالی جس کا امیر آپ نے حضرت پیر

خورشید احمد صاحبؒ خلیفہ اعظم حضرت شیخ الاسلامؒ کو مقرر کیا۔ حضرت قاضی صاحبؒ اس سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

''جمعیت علمائے اسلام سے منسلک ہونے سے بھی ہمارا مقصد مذہب اہلسنّت والجماعت کا فروغ اور غلبہ تھا۔ جب جمعیت کی اختیار کردہ سیاسی پالیسی سے یہ محسوس ہوا کہ اس طرح تو مذہب اہلسنّت کے اصول کو نقصان پہنچ رہا ہے تو بندہ نے مجلس خدام اہلسنّت کے نام سے ایک مذہبی تنظیم قائم کرنے کا ارادہ کرلیا۔ حسن اتفاق سے انہی دنوں میں حضرت مولانا سیّد محمد امین شاہ صاحب زید مجدہم (مرید شیخ الاسلام حضرت مدنی اور خلیفہ حضرت پیر خورشید احمد شاہ صاحبؒ) کے سالانہ جلسہ مخدوم پور پہوڑاں (ضلع خانیوال) میں حاضر تھا تو وہاں حضرت مدنیؒ کے خلیفہ اعظم حضرت پیر خورشید احمد شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ ساکن قصبہ عبدالحکیم ضلع ملتان بھی تشریف لائے ہوئے تھے، جب میں نے آپ کی خدمت میں مجلس خدام اہلسنّت کے قیام کا ارادہ ظاہر کیا تو آپ بہت خوش ہوئے اور جو بھی جلسہ میں مبلغ آتا آپ اس سے فرماتے کہ خدام اہلسنّت میں شامل ہو جاؤ۔ حضرت پیر صاحب قدس سرہٗ کی تائید و دعا سے بندہ بہت مطمئن ہوا۔ گھر واپس آکر میں نے مجلس خدام اہلسنّت والجماعت کی دعوت کے عنوان سے ایک پمفلٹ شائع کیا جس میں مذہب

اہلسنّت کے برحق ہونے کے دلائل پیش کرنے کے بعد آخر میں خدام اہلسنّت کے قیام کا مقصد بیان کرنے کے بعد یہ لکھا کہ:-

''لہٰذا اس مقصد عظیم کے لیے مخدوم العلماء حضرت مولانا پیر خورشید احمد شاہ صاحب ساکن قصبہ عبدالحکیم ضلع ملتان (خلیفہ اعظم شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہٗ) کی قیادت وامارت میں مجلس خدام اہلسنّت والجماعت کے نام سے ایک جماعت قائم کردی گئی ہے اور اس جماعت کی دعوت کوئی نئی نہیں بلکہ اس کا مقصد چودہ سو سال کے مذہب اہلسنّت کی ہی تبلیغ و حفاظت ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے محررہ بالا ارشاد کی روشنی میں ضروری ہے کہ مسلمانان اہلسنّت، اپنے مذہب حق کی بنیاد سنت و جماعت کے تحت دین اسلام کی تبلیغ وحفاظت کریں۔ ہم تمام سنی مسلمانوں کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ وہ خواب غفلت سے بیدار ہوکر اپنے مذہب کی خدمت و اشاعت کا فریضہ انجام دیں۔ وما علینا الا البلاغ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاص وہمت عطا فرمائیں۔ آمین''۔

(۲۱ر رجب ۱۳۸۹ھ مطابق ۴ر اکتوبر ۱۹۶۹ء)[1] ''

حضرت پیر خورشید احمد صاحبؒ کی وفات کے بعد حضرت قاضی صاحبؒ مجلس کے امیر مقرر ہوئے اور تاحیات آپ ہی امیر رہے، حضرت قاضی صاحبؒ

---

[1] ماہنامہ حق چاریارؓ، مولانا عبداللطیف جہلمی'' نمبر ص ۵۵

کی وفات کے بعد حضرت کے صاحبزادہ قائد محترم حضرت مولانا قاضی ظہور الحسین اظہر صاحب کو امیر مقرر کیا گیا ہے۔

یاد رہے کہ پہلے اس جماعت کا نام مجلس خدام اہلسنّت تھا بعد میں مجلس سے بدل کر تحریک کر دیا گیا۔

اوصاف وکمالات، خصوصیات وامتیازات:

اللہ تعالیٰ نے حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کو ڈھیروں خوبیوں سے نوازا تھا، آپ صاحبِ کشف وکرامت اور مرتاض بزرگ تھے، آپ کی نسبت قوی زود اثر اور متعدی تھی جو بھی آپ کے پاس بیٹھتا تھا اس پر آپ کی روحانی نسبت کا اثر پڑتا تھا، آپ کو ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین سے والہانہ لگاؤ تھا۔ اسی کا اثر تھا کہ آپ نے ساری زندگی مقامِ مصطفیٰ کے تحفظ اور صحابۂ کرام کے دفاع میں گزاری، آپ جذبۂ اتباعِ سنت سے سرشار تھے، زندگی کے آخری لمحات تک اتباعِ سنت پر عمل پیرا رہے، آپ سات مرتبہ حجِ بیت اللہ اور نو مرتبہ عمرہ کی سعادت سے بہرہ مند ہوئے۔ اِن اَسفار میں آپ رؤیائے صالحہ اور بشاراتِ مَنَامِیَہ کے ساتھ ساتھ خصوصی الطاف وعنایاتِ ربانیہ سے مستفید ہوئے۔

آپ کی ذات میں استغناء کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، ساری زندگی تبلیغ دین کی خدمت انجام دی جس کی بدولت ہزاروں افراد کو راہِ ہدایت نصیب ہوئی، بڑے بڑے افراد آپ کے حلقۂ ارادت میں آئے لیکن کبھی آپ نے اپنی ذات کے لیے کسی سے مالی منفعت حاصل نہیں کی، بلکہ خود اپنی جیب سے علماء وطلباء کی

امداد فرماتے رہے، تواضع اور عاجزی آپ کا شعار تھا، نام ونمود سے نفرت تھی، اپنے نام کے ساتھ تعظیمی کلمات اور القابات لگانے کو انتہائی ناپسند فرماتے تھے۔ خوش خلقی، وضعداری اور ملنساری میں بے مثال تھے، آپ سے ملنے والا ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ آپ کا تعلق سب سے زیادہ اُسی سے ہے، خوردنوازی میں ممتاز تھے چھوٹوں کو آگے بڑھانے اور اُنہیں کام کا سلیقہ سمجھانے میں خوشی محسوس فرماتے تھے، خانوادۂ مدنی سے عشق تھا، آستانۂ مدنی سے جو بھی آتا آپ دیدہ ودل فرشِ راہ کئے ہوتے تھے، آپ عقیدہ ومسلک کے اعتبار سے اکابر دیوبند کے سچے جانشین تھے، دیوبندیت اپنی پوری روح کے ساتھ آپ کے اندر رچی بسی ہوئی تھی یہی وجہ ہے کہ آپ کے قلم اور زبان نے ہر باطل اور ہر فتنہ کا مقابلہ کیا اور کبھی کسی مصلحت یا تساہل کا شکار نہ ہوئے، آپ کوہِ استقامت تھے مخالف ہواؤں کے ہزار تھپیڑوں کے باوجود آپ کے پائے استقلال میں کبھی لغزش نہیں آئی، آپ کے اندر مذہبی حمیت وغیرت اور تَصَلُّبٌ فی الدین کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، اکابر دیوبند کے سچے وارث تھے اکابر کے عقیدۂ ومسلک سے سرِ مو انحراف گوارا نہیں فرماتے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا خاص ملکہ عطا فرمایا تھا، آپ تاحیات باطل کے خلاف چومکھی لڑائی لڑتے رہے لیکن کبھی راہِ اعتدال اور جادۂ مستقیم سے نہیں ہٹے، آپ نے رافضیت، خارجیت، ناصبیت اور مودودیت کے خلاف تنِ تنہا وہ کام کیا جو ایک جماعت سے بھی ممکن نہیں۔

وفات حسرت آیات:

حضرت قاضی صاحبؒ پیرانہ سالی کی وجہ سے نہایت کمزور ہو گئے تھے، علالت نے بھی طول اختیار کر لیا تھا لیکن اِن حالات میں بھی ہوش وحواس درست

اور ذہن بالکل حاضر تھا، ہر ایک کی بات سنتے اور جواب مرحمت فرماتے تھے، وفات سے چند ساعت قبل تیز بخار ہو گیا تھا بار بار زبان سے اللہ جی اللہ جی فرماتے تھے، بروز پیر بوقتِ سحر تقریباً پونے چار بجے زبان مبارک کو حرکت دینے لگے، زبان کے اُتار چڑھاؤ سے اندازہ ہوتا تھا کہ کلمہ طیبہ کا ورد فرما رہے ہیں، اس حالت کو دیکھ کر پاس بیٹھے ہوئے احباب نے بھی کلمہ طیبہ کا ورد شروع کر دیا، اسی اَثناء میں نہایت سکون کے ساتھ آپ نے ایک سانس اُوپر کی طرف لیا اور جان جاں آفریں کے سپرد کر دی، انا للہ وانا الیہ راجعون، آپ کا سانحۂ ارتحال ۳ رذی الحجہ ۱۴۲۴ھ/ ۲۶ رجنوری ۲۰۰۴ء بروز پیر کو پیش آیا۔ وفات کی خبر آناً فاناً جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور بڑی تعداد میں متوسلین ومعتقدین علماء وعوام مدنی مسجد پہنچنا شروع ہو گئے، نماز فجر کے بعد مولانا قاری جمیل الرحمٰن، پروفیسر حافظ محمد عمر، محترم نثار معاویہ اور حافظ احسن خدامی وغیرھم نے غسل دیا۔ ظہر کی نماز کے بعد جنازہ گورنمنٹ کالج چکوال کے وسیع وعریض گراؤنڈ میں لایا گیا۔ یہاں علماء و عوام کے جم غفیر نے اپنے محبوب قائد کی نمازِ جنازہ میں شرکت کی، نماز جنازہ کی امامت کے فرائض حضرت مولانا قاری خبیب عمر صاحب زید مجدھم نے ادا کیے، نماز جنازہ سے فراغت کے بعد آپ کی میت عقیدت واحترام کے ساتھ آپ کے آبائی گاؤں بھیں روانہ ہو گئی، تقریباً پانچ بجے شام ہائی اسکول کی گراؤنڈ میں آپ کے صاحبزادۂ محترم نے نماز جنازہ پڑھائی، حضرت کی وصیت تھی کہ اُنہیں والد محترم کی قبر کے ساتھ دفن کیا جائے چنانچہ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کے والد ماجد کی قبر کے ساتھ آپ کی تدفین ہوئی، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

اولاد واحفاد:

حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کی دو شادیاں ہوئیں پہلی زوجۂ محترمہ سے حضرت قاضی ظہور الحسین اظہر اور ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں، دوسری زوجۂ محترمہ سے پانچ صاحبزادیاں پیدا ہوئیں، حضرت قاضی ظہور الحسین اظہر صاحب کو تحریک خدام اہلسنّت کا امیر مقرر کیا گیا ہے۔ آپ اپنی دیگر ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ تحریک کی امارت کے فرائض بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کی مساعیِ جمیلہ کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائے۔ اپنی شایانِ شان آپ کے درجات بلند فرمائے، آپ کے لگائے ہوئے گلشن کو ترقی اور آپ کے جاری کردہ مشن کو کامیابی عطا فرمائے اور آپ کے اَخلاف کو آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

بجاہ النبی الامین وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

اخوکم فی اللہ
نعیم الدین

۱۶ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ، ۱۵ فروری ۲۰۰۶ء

☆☆☆☆☆

خُدامِ اہلِ سنت کی دعاء

خدایا اہلِ سنت کو جہاں میں کامرانی دے
خلوص وصبر وہمت اور دیں کی حکمرانی دے
تیرے قرآن کی عظمت سے پھر سینوں کو گرمائیں
رسول اللہ ﷺ کی سنت کا ہر سُو نُور پھلائیں
وہ منوائیں نبی ﷺ کے چار یاروںؓ کی صداقت کو
ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ وحیدرؓ کی خلافت کو
صحابہؓ اور اہلِ بیتؓ سب کی شان سمجھائیں
وہ ازواجِؓ نبی پاک ﷺ کی ہر شان منوائیں
حسنؓ کی اور حسینؓ کی پیروی بھی کر عطا ہم کو
تو اپنے اولیاء کی بھی محبت دے خدا ہم کو
صحابہؓ نے کیا تھا پرچمِ اسلام کو بالا
انہوں نے کر دیا تھا روم وایران کو تہہ و بالا
تیری نصرت سے پھر ہم پرچمِ اسلام لہرائیں
کسی میدان میں بھی دشمنوں سے ہم نہ گھبرائیں
تیرے کُن کے اشارے سے ہو پاکستان کو حاصل
عروج و فتح و شوکت اور دین کا غلبۂ کامل
ہو آئینی تحفظ ملک میں ختم نبوت کو
مٹا دیں ہم تیری نصرت سے انگریزی نبوت کو
تو سب خدام کو توفیق دے اپنی عبادت کی
رسولِ پاک ﷺ کی عظمت ، محبت اور اطاعت کی
تیری توفیق سے ہم اہلِ سنت کے رہیں خادم
ہمیشہ دینِ حق پر تیری رحمت سے رہیں قائم
نہیں مایوس تیری رحمتوں سے مظہر ناداں
تیری نصرت ہو دنیا میں ، قیامت میں تیری رضواں